روزانہ سپر کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ، پاور دھوپ کے فینسی چشمے اور کانٹکٹ لینس کے لئے
چشمہ گھر
مہاجنی ٹولہ (ڈاکخانہ روڈ) سرائے میر، اعظم گڑھ، (یوپی)
پن کوڈ 276305
★ جدید ڈیزائن اور ورائٹی ★ اعلیٰ کوالٹی
★ دوستانہ ماحول ★ بہتر سروس ★ برانڈ فریم

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ کی رضا کے ساتھ خداوند عالم کی خوشنودی وابستہ ہے اور باپ کے غصے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna, S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۲۶ ● ۱۹ / مارچ ۲۰۰۹ء ● 19March 2009 ● پنجشنبہ ● ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ ● قیمت =/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳ ریال ● Posting: 17 March 2009 Tuesday

فلپائن میں مسلم خود مختار خطہ

منیلا۔ فلپائن کی حکومت نے مورو نیشنل لبریشن فرنٹ کے ایک گروپ کے ساتھ مذاکرات کے بعد کہا ہے کہ وہ جنوبی علاقے میں ایک مسلم خود مختار علاقہ بنانے کے لئے قانون میں ترمیم کے لئے تیار ہے۔ حکومت کے نائب امن مشیر نیبل ٹان نے بتایا کہ حکومت کو مجوزہ مسلم علاقہ کی ترقی کے لئے تنظیم اسلامی کانفرنس کے رکن ملکوں کی طرف سے مالی امداد کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ پچھلے چالیس برسوں سے جاری تشدد کی وجہ سے یہ علاقہ ترقی کے معاملے میں کافی پیچھے ہے۔ یہاں اب تک ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد افراد مارے جا چکے ہیں۔ ٹان کے مطابق حکومت اور مورو لبریشن فرنٹ مل کر نئے قانون کا مسودہ تیار کرائیں گے۔ اس سے قبل ۱۹۹۶ء میں او آئی سی اور انڈونیشیا کی ثالثی کے نتیجے میں دونوں نے ایک امن معاہدے پر دستخط کیے تھے۔

سوات میں شرعی نظام نافذ

سوات۔ سوات میں شرعی نظام نافذ ہونے کے بعد ۱۳ / مارچ سے عدالتوں اور قاضیوں نے شرعی نظام عدل کے تحت باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ ابتداء میں صرف سات قاضیوں کا تقرر کیا گیا ہے بعد میں ان کی تعداد بڑھائی جائے گی۔

ایران پر امریکی پابندی میں توسیع

واشنگٹن۔ امریکی صدر بارک حسین اوبامہ نے ایران پر عائد پابندیوں میں ایک سال کی توسیع کر دی ہے۔ اسے سابق صدر جارج ڈبلیو بش کی پالیسیوں کا تسلسل مانا جا رہا ہے۔ کانگریس کو بھیجے گئے ایک پیغام میں مسٹر اوبامہ نے کہا کہ پابندی میں توسیع کی وجہ یہ ہے کہ ایران اب بھی امریکہ کیلئے ایک غیر روایتی اور بڑا خطرہ ہے۔ ایرانی حکومت کی پالیسیاں اور اقدامات اس خطے میں امریکی مفادات کے مخالف ہیں۔ اس سے قبل امریکی صدر نے کہا تھا کہ وہ ایران سے براہ راست بات چیت میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن اس سے پہلے ایران کو اپنے خطرناک عزائم ترک کرنے ہوں گے۔

یورپی یونین میں بیروزگاری کا بحران

پیرس۔ یورپی کمیشن نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ یورپی یونین میں سال رواں میں ۳ء۵ ملین افراد بیروزگار ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس یورپین ایمپلائرز آرگنائزیشن بزنس یورپ کے اندازے کے مطابق ۴ء۵ ملین افراد بیروزگار ہو جائیں گے۔ ادھر برطانیہ میں بیروزگاروں کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچنے والی ہے اور ملک بیروزگاری کے بحران کا شکار ہو سکتا ہے۔ فی الحال ملک میں بیروزگاروں کی مجموعی تعداد ۱۹ لاکھ ۷۰ ہزار ہے اور ہر ہفتے ایک روزگار سنٹر بند ہو رہا ہے۔

زیدی کی سزا ملک سے غداری

بغداد۔ عراق کے شیعہ لیڈر مقتدیٰ الصدر نے سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش پر جوتا پھینکنے والے صحافی منتظر الزیدی کو تین سال کی سزا سنائے جانے کو ملک سے غداری کے مترادف قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ملکی عدالتیں دباؤ کے تحت کام کر رہی ہیں اس لئے ان کے فیصلے ناقابل قبول ہیں۔ انھوں نے کہا کہ زیدی کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ واضح رہے کہ زیدی نے بش کے آخری دورۂ عراق کے موقع پر دنیا بھر میں نشر کی جانے والی پریس کانفرنس کے دوران بش کے منھ پر جوتا پھینک کر کہا تھا کہ یہ لے کتے یہ تیرے لئے عراق کی بیواؤں کی طرف سے انعام ہے۔

کیانی تختہ پلٹ کے حق میں نہیں

واشنگٹن۔ امریکہ کے جوائنٹ چیف آف اسٹاف ایڈمرل مائیکل مولین نے کہا ہے کہ پاکستان میں موجودہ سیاسی اتھل پتھل کے سبب فوجی تختہ پلٹ کا امکان نہیں ہے۔ پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی جمہوریت کے سخت حامی ہیں اور اپنے پیش رو جنرل (سبکدوش) پرویز مشرف کے ۱۹۹۹ء میں کئے گئے تختہ پلٹ جیسے اقدام نہیں کرنا چاہتے۔

مشرقی یروشلم کی شناخت بدلنے کا خطرناک صیہونی منصوبہ

سیکورٹی کے نام پر اسرائیل نے پہلے باڑ تعمیر کر کے مغربی کنارے کے ایک بہت بڑے علاقے کو زبردستی اپنے اندر شامل کر لیا۔ اب اس نے اس مشرقی یروشلم کی شناخت کو ختم کر کے فلسطینیوں کے دعوے کو بے اثر کرنے کا خطرناک منصوبہ بنایا ہے۔ اطلاعات کے مطابق مشرقی یروشلم میں نہ صرف یہودی بستیوں کی تعداد بڑھائی جا رہی ہے بلکہ فلسطینیوں کے مکانات منہدم کر کے انھیں بے دخل کرنے کا انتظام بھی کیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں فلسطینیوں کے جن ۸۸ مکانات کے انہدام کا نوٹس دیا گیا اور نئی یہودی بستی کی تعمیر کے جو ٹینڈر جاری کئے گئے ہیں۔ اس کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا کہ اسرائیل دھیرے دھیرے مشرقی یروشلم کی عرب پہچان ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ علاقے پر فلسطینیوں کا دعویٰ کمزور ہو جائے اور وہ اسے مستقبل کی فلسطینی ریاست کی راجدھانی نہ بنا سکیں۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اسرائیل غیر منقسم یروشلم کو اپنی راجدھانی بنانا چاہتا ہے۔ فی الحال اس کی راجدھانی تل ابیب ہے جسے وہ ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسرائیل کے دعوے کو بین الاقوامی سطح پر کبھی بھی تسلیم نہیں کیا گیا اور مشرقی یروشلم فلسطینیوں کا ہی علاقہ تصور کیا جاتا ہے۔ جبکہ فلسطینی مشرقی یروشلم کو جہاں عربوں کی کثیر آبادی ہے اور پہلا قبلہ بیت المقدس بھی واقع ہے، اسے مستقبل کی فلسطینی ریاست کی راجدھانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ علاقہ ۱۹۶۷ء کی مشرق وسطیٰ جنگ کے دوران اسرائیل کے قبضے میں تو آ گیا لیکن فلسطینیوں نے ایک لمحے کے لئے بھی اس پر اپنا دعویٰ ترک نہیں کیا۔ آج بھی وہاں کی عرب آبادی اسرائیل کے تسلط میں ہونے کے باوجود فلسطین اور فلسطینیوں سے اپنا رشتہ جوڑتی ہے۔

اسرائیل مشرقی یروشلم پر غیر قانونی تسلط کے لئے ۲۰۰۷ء ہی سے سرگرم ہے اور یہودی بستیوں کے لئے مسلسل تعمیراتی ٹینڈر جاری کئے جا رہے ہیں لیکن اس کے خطرناک منصوبے کی حقیقت اس وقت سامنے آئی جب اس نے یہودیوں کے لئے ایک بستی تعمیر کرنے کے نام پر فلسطینیوں کے ۸۸ مکانات کے انہدام کا نوٹس دیا پھر مشرقی یروشلم میں فلسطینیوں کے بے شمار مکانات منہدم کرنے کے اسرائیلی منصوبے کے بارے میں یورپی سفارتکاروں کی ایک رپورٹ بھی منظر عام پر آئی جس میں یہ انکشاف کیا گیا کہ اسرائیل مشرقی یروشلم میں یہودی بستیوں کی تعمیر کے لئے ۲۰۰۷ء ہی سے کوشاں ہے۔ وہ اس کے لئے نہ صرف ٹینڈر پر ٹینڈر جاری کر رہا ہے بلکہ فلسطینیوں کو تعمیر کے پرمٹ جاری کرنے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ اب تو وہ فلسطینیوں کے مکانات کے انہدام کا نوٹس بھی دے رہا ہے۔ اس بابت اسرائیل کا کہنا ہے کہ انہدام کا نوٹس اس لئے دیا گیا کہ وہ مکانات اجازت کے بغیر تعمیر کئے گئے ہیں جبکہ فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ ان کے لئے جب مکانات کی تعمیر پر پابندی عائد ہے تو وہ اجازت کہاں سے لیں گے۔ ان کی ضرورت کس طرح پوری ہوگی۔ وہ ضرورت کے تحت نئے مکانات نہیں بنائیں گے تو کیا وہ پناہ گزیں کیمپوں میں رہیں گے۔

یورپی سفارت کاروں کی رپورٹ میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ یروشلم اور اس کے آس پاس اسرائیل کی سرگرمیاں قیام امن میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں اور جب اس مسئلے پر حال ہی میں مشرق وسطیٰ کا دورہ کرنے والی امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی کہا کہ مجوزہ انہدام سے قیام امن کی کوششوں کو نقصان پہنچے گا وہ اس سلسلے میں اسرائیلی حکومت سے بات چیت کریں گی۔ لیکن اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ خطرناک منصوبے کے منظر عام پر آنے کے بعد اسرائیلی حکام اب اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا کہ مشرقی یروشلم سے فلسطینیوں کو باہر نکالنے اور یہودیوں کو آباد کرنے کی کوئی مہم نہیں چل رہی ہے اور نہ ہی مجوزہ نوٹس کا اس سے کوئی تعلق ہے بلکہ صرف غیر قانونی تعمیرات کو گرانے کی بات چل رہی ہے۔ اس کے بعد خالی اراضی کا مصرف کیا ہوگا؟ کیا ان پر مکانات تعمیر کر کے عربوں کو دیے جائیں گے یا وہاں کوئی نئی یہودی بستی بنائی جائے گی اس بابت اسرائیلی حکام کچھ نہیں کہہ رہے ہیں۔ صرف وہ اتنا کہہ رہے ہیں کہ عوام کے لئے نئی بستی بنائی جا رہی ہے۔ عوام سے ان کی مراد کیا ہے۔ یہ سبھی جانتے ہیں۔ پورے یروشلم میں سیکورٹی کے نام پر باڑ کی تعمیر سے پہلے ہی ہزاروں فلسطینی مقبوضہ مغربی کنارے سے کٹ گئے ہیں، اب انھیں بے گھر کر کے یروشلم سے بھی نکالنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

مشرقی یروشلم میں صرف عربوں کی آبادی اسرائیل کے نشانے پر نہیں ہے بلکہ قبلہ اول بھی اس کے نشانے پر ہے جسے منہدم کرنے کے لئے اس کے اردگرد کسی نہ کسی بہانے برابر کوئی نہ کوئی سرنگ کھودی جاتی ہے تاکہ اس کی بنیادیں کمزور ہو جائیں اور وہ گر جائے تو پھر وہاں یہودی اپنے منصوبے کے مطابق ہیکل سلیمانی تعمیر کر لیں۔ غرضیکہ مشرقی یروشلم پر غیر قانونی تسلط کو یہودی رنگ میں رنگنے کے لئے ہر طرح کے حربے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ بیت المقدس کے انہدام کی سازش کی خبریں برابر آتی رہتی ہیں۔ اب مشرقی یروشلم کو عربوں سے خالی کرانے کی خبریں آ رہی ہیں۔ اسرائیل یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ جب تک مشرقی یروشلم میں مسلمان آباد رہیں گے اور قبلہ اول رہے گا وہ علاقہ کی پہچان کو نہیں بدل سکتا اور نہ ہی فلسطینیوں کے دعوے کو کمزور کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ اس کی اسلامی شناخت ختم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اور عرب و مسلم ممالک کی خاموشی و بے بسی کا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔

(ص ن)

ایسے مدارس کس حد تک دینی خدمت انجام دیں گے؟

جو امریکہ عالم اسلام کو جبر و استحصال کے ذریعے غلام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہا ہے وہ دینی مدارس کو مالی امداد دے رہا ہے۔ بھارت کی جو مرکزی اور ریاستی حکومتیں اور ان کے افسران و حکمراں دینی، اسلامی مدارس کو اٹھتے بیٹھتے دہشت گردی کے اڈے قرار دے رہے ہیں ان کے طلباء اور اساتذہ کو دہشت گرد قرار دے کر گرفتار و تاراج کرنے، اذیتیں دینے اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کرتے ہوئے پوری ملت اسلامیہ کو ذلیل و بدنام اور رسوا کر رہے ہیں ان کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر رہے ہیں وہ حکومتیں مدارس اسلامیہ میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے پروگرام چلا رہی ہیں اور دینی مدارس میں اپنے منظور شدہ نصاب کو فروغ دینے پر دولت صرف کر رہی ہیں اور اس مشن میں مقدمۃ الجیش کا فریضہ انجام دے رہی ہے آندھرا پردیش کی حکومت جہاں مسلم نوجوانوں اور علماء کو سب سے زیادہ دہشت گرد قرار دے کر گرفتار اور انکاؤنٹر کیا جا رہا ہے۔ اس نے امریکی حکومت کے تعاون سے ریاست کے مدرسوں میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے پروگرام کا آغاز کیا اور اعلان کیا کہ اس پروگرام سے ریاست آندھرا پردیش کے تقریباً بارہ سو مدارس میں حکومت سے منظور شدہ نصاب کو فروغ دینے اور تدریسی معیار کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ بچوں کو مدارس میں داخل کرنے اور ان کو برقرار رکھنے یعنی ڈراپ آؤٹ سے روکنے میں مدد ملے گی۔

اس پروگرام کے آغاز کے لئے منعقد تقریب میں جہاں ریاست کے اقلیتی امور، اوقاف، اردو اکادمی، ماہی (مچھلی) پروری اور پبلک انٹرپرائز محکمہ کے وزیر، اسکول ایجوکیشن محکمہ کے وزیر اور محکمہ تعلیم کے پرنسپل سکریٹری نے شرکت کی۔ امریکی حکومت کی جانب سے بین الاقوامی ترقیات کے امریکی ادارہ یو ایس ایڈ کے ڈائریکٹر برائے بھارت جارج ڈیکن نے بھی شرکت کی۔ انھوں نے مدارس کے منتظمین کو نصیحت کی کہ وہ حکومت کے ساتھ تال میل کو فروغ دینے میں اپنا رول ادا کریں۔ یاد رہے کہ امریکہ نے ۲۰۰۳ء میں حیدرآباد کے گیارہ مدرسوں کے نصاب میں عصری تعلیم کو شامل کرنے اور مدارس و حکومت آندھرا پردیش کے بیچ تال میل پیدا کرنے کی کوششوں کے ساتھ یہ پروگرام شروع کیا تھا۔

افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ جو علماء **الدنیا ملعون اور الدنیا سجن للمومن** جیسی احادیث بڑے طمطراق کے ساتھ منبروں اور اسٹیجوں سے عوام کو گھٹی کے طور پر پلاتے رہے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ، پیٹ سے پتھر باندھنے، مہینوں تک گھر میں چولہا نہ جلنے، روزے پر روزے رکھتے رہنے، زمین پر چٹائی بچھا کر لیٹنے سونے، چٹائیوں کے نشان جسم مبارک پر پڑ جانے، ایک ام المومنین کے ذریعے بستر کے طور پر چادر تہہ کر کے بچھا دینے پر ناپسندیدگی کے اظہار اور چادر کو نکلوا دینے کی روایات اسوۂ رسول کے طور پر پیش کرتے رہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک پر منبر پر خطبہ دیتے وقت ۱۷ پیوندوں والی چادر کی موجودگی جیسے واقعات کو شاندار نمونہ کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں اور جن کے اکابر و اسلاف علمائے دین، اسلام کی تاریخ میں الفقر فخری کو سینے سے چمٹائے اپنے لئے سرمایہ حیات تصور کرتے رہے ہیں ناعاقبت اندیش، مادیت پرستوں کے مستقل پروپگنڈے، تبلیغ و تلقین اور تحریص کے نتیجے میں دولت دنیا اور عیش و عشرت کی طلب میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے تصور کو بالائے طاق رکھ کر اپنی غرض و غایت اور مقصد کو پامال کرتے ہوئے ہر طرح سے دولت کے پیچھے دوڑنے لگے ہیں۔ چنانچہ بھارت میں سفارت خانہ امریکہ کے شعبۂ امور عامہ کی جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق ریاست آندھرا پردیش کے بارہ سو مدارس اس پروگرام میں شامل ہو چکے ہیں جو ظاہر ہے فاقہ مست، بوریہ نشیں، عوام سے وابستہ اور مربوط رہنے والے طلباء و علماء کی جگہ اب سرکاری و پرائیویٹ ملازمتوں کے طلبگار کرسی نشیں کرمچاری اور عزت نفس و خودداری کے علمبرداروں کی جگہ ضمیر فروش، ملت فروش و دنیادار، بے کردار عناصر پیدا کریں گے۔

سرکاری امداد کے سہارے چلنے والے دینی مدارس کی حالت ملک کی مختلف ریاستوں میں کھلی آنکھ سے ہر جگہ بخوبی دیکھی جا سکتی ہے جنھیں دیکھ دیکھ کر سعید روحیں عبرت حاصل کرتی ہیں۔ ان مدارس کا اور ان سے فارغ ہو کر اور فاضل بن کر نکلنے والوں کا انجام و حشر سامنے ہے۔ یہ مدرسے کس حد تک دینی ہوتے ہیں اور ان سے نکلنے والے کس حد تک درجہ فضیلت کے حامل ہوتے ہیں ہر فرد بشر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ انھی کو پیش نظر رکھ کر امریکہ اور آندھرا پردیش کی حکومت سے امداد لینے والے مدارس کے بارے میں قبل از وقت سمجھا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے جو مدارس امریکہ اور بھارت کی حکومت کی امداد سے چلیں گے، ان کا منظور شدہ نصاب پڑھائیں گے وہ مسلمانوں کو کیا دیں گے تصور کیا جا سکتا ہے۔ عصری علوم کے حامل مسلمانوں کو کیا کچھ حاصل ہو چکا ہے پھر دینی مدارس میں عصری علوم گھسیڑنے سے کیا حاصل ہوگا اس کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔ امریکہ اور بھارت یا آندھرا پردیش کی حکومتیں سیکولرزم کی علمبردار ہیں وہ دین و مذہب کو فروغ نہیں دے سکتیں وہ دینی مدارس کو امداد دے کر کیا دینی بنا رہنے دیں گی؟ آخر یہ حکومتیں دینی مدارس میں جانے والے ڈھائی تین فیصد کے لئے تو تڑپتی ہیں ان ۹۷ فیصد مسلم بچوں کی فکر کیوں نہیں کرتیں جو دینی مدارس میں نہیں جاتے؟ کیا یہ مدارس مسلمانوں کی زکوٰۃ اب بھی لیں گے؟ (ع ق)

بلا تبصرہ

سیاسی رہنما حصول اقتدار کے لئے اتنے بے قرار ہیں کہ نظریے کو طاق پر رکھ کر گٹھ جوڑ کرنے میں بھی انھیں کوئی گریز نہیں۔ کل تک جس کو فرقہ پرست قرار دیتے تھے وہ ان کی پارٹی میں آتے ہی سب سے زیادہ سیکولر ہو جاتا ہے۔ پالا بدلنے کے لئے سیاستدانوں اور جماعتوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ کسی پارٹی کے سربراہ کو پی ایم بننے کی حسرت ہے تو کوئی کسی جماعت کو اقتدار سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ (ستم ظریفی تو یہ ہے کہ) حرص اقتدار سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار سیاسی پارٹیاں اور ان کے نمائندے کھلے عام کرتے ہیں۔ کمار اویو، نئی دہلی
نو بھارت ٹائمس، ۱۴ / مارچ ۲۰۰۹ء

خبر و نظر

خوشگوار تعلقات کے بعد

۱۹۸۰ء میں اندرا گاندھی کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کے بعد پاکستان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت بدل چکی تھی۔ خوشگوار تعلقات کا وہ باب بند ہو چکا تھا جو اس سے پہلے مرارجی دیسائی کی وزارت عظمیٰ اور اٹل بہاری باجپئی کی وزارت خارجہ کے دور میں کھولا گیا تھا۔ اس وقت اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے مسز گاندھی الزام لگایا کرتی تھیں کہ پڑوسی ملکوں سے بہتر تعلقات ملکی مفاد کی قیمت پر قائم کیے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ دوبارہ اقتدار میں آتے ہی مسز گاندھی نے صورت حال الٹ دی۔ پاکستان کے خلاف لہجہ سخت ہو گیا، ملک کے ہر مسئلے میں پاکستانی ہاتھ نظر آنے لگا۔ اندرا گاندھی کی اس پالیسی پر انڈین ایکسپریس شدید تنقید کیا کرتا تھا جبکہ ٹائمس آف انڈیا ان کا پرجوش حامی تھا۔ لیکن ایک بار یہ ہوا کہ کسی معاملے میں مسز گاندھی نے پاکستان کے تعلق سے کوئی نرم بات کہہ دی۔ اس پر ٹائمس آف انڈیا کے ایڈیٹر گری لال جین نے اپنے اداریے میں انھیں ٹوکا، لکھا کہ "مسز گاندھی نے یہ کیا کہہ دیا، کیا وہ نہیں جانتیں کہ پاکستان کے خلاف سخت موقف ہماری خارجہ (یا نیشنل) پالیسی کا حصہ ہے۔" مبصرین کی نئی نسل کے لیے یہ بڑی عجیب اور معنی خیز بات تھی۔ سوال یہ کیا جا رہا تھا کہ کیا سفارتی تعلقات کی نوعیت کسی کا عمل دیکھنے سے پہلے ہی طے کر دی جاتی ہے؟۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا احساس

پھر اسی بحث کے دوران ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کا وہ احساس سامنے آیا جس کا اظہار انھوں نے اکتوبر ۱۹۵۱ء میں مرکزی کابینہ سے مستعفی ہوتے وقت کیا تھا۔ اپنے استعفیٰ کے جو اسباب انھوں نے گنوائے تھے ان میں سے ایک سبب تھا پاکستان کے ساتھ خواہ مخواہ کا تنازعہ۔ ان کا احساس تھا کہ "پاکستان کے ساتھ کشمکش ہمارے ملک کی خارجہ پالیسی کا حصہ بن گئی ہے۔" ہند پاک تعلقات کے ذیل میں ڈاکٹر امبیڈکر کی اس رائے کا حوالہ مبصرین دیتے رہے ہیں۔ ابھی ۱۴ / مارچ کے انڈین ایکسپریس میں امور خارجہ کے ایک افسر ہریش پروناتیں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اپنے مضمون "اگر ملک کی خارجہ پالیسی ڈاکٹر امبیڈکر کے افکار و نظریات کے مطابق ہوتی تو کیا ہوتا"۔ میں ایس آئی ایف ایس افسر نے لکھا ہے کہ پنڈت نہرو کے برعکس ڈاکٹر امبیڈکر دوسرے ملکوں کی بجائے صرف اپنے ملک کے مسائل کے حل پر زور دیتے تھے۔ وہ کشمیر کا حقیقت پسندانہ اور پُر امن حل چاہتے تھے۔ بہرکیف ۸۰ ر کی دہائی میں پاکستان کے تعلق سے اندرا گاندھی کی پالیسی جاری رہی۔ بعد میں آنے والی سرکاریں بھی اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں لا سکیں۔

یہ سوالات ابھرتے ہیں

ساٹھ سال پہلے کی صورت حال، جو ڈاکٹر امبیڈکر کے حوالے سے معلوم ہوتی ہے اور آج کی صورت حال، جو دنیا کے سامنے ہے، ملا کر دیکھی جائے تو بہت سے سوالات ابھرتے ہیں۔ کیا پاکستان کی تخلیق اسی لیے کی گئی تھی کہ ایک "دشمن" مطلوب تھا؟ کیا پاکستان فی الواقع مسلم لیگ کے مطالبے کا نتیجہ تھا یا یہ انڈین نیشنل کانگریس اور ہندو مہا سبھا کی اپنی ضرورت تھی؟ مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان سے پہلے کے حالات کیا تھے، سیاسی فریقوں میں کس نے کہاں اور کب کب عہد شکنی کی؟ انڈین نیشنل کانگریس کے سردار پٹیل اور کچھ دوسرے لیڈروں کی سوچ مسلمانوں کے بارے میں کیا تھی؟ ----- اس سوال کا جواب کہ بمبئی پر ۲۶ / نومبر کے حملوں سے کس کو فائدہ اور کس کو نقصان پہنچا، دراصل اس سوال میں تلاش کیا جانا چاہیے کہ قیام پاکستان سے کس کو فائدہ اور کس کو نقصان پہنچا؟ تقسیم سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کی پوزیشن کیا تھی اور بعد میں کیا بن گئی؟ اگر آج کے وزیر خارجہ پرنب مکھرجی روزانہ صبح ناشتے سے پہلے، دوپہر کے کھانے کے بعد اور شام کے کھانے سے پہلے پاکستان کو وارننگ دینا ضروری سمجھتے ہیں تو ساٹھ سال پہلے وہ کیا بات تھی جب ڈاکٹر امبیڈکر پاکستان کے ساتھ Quarrel پر دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ Quarrel کہتے ہیں خواہ مخواہ یا بلا وجہ کے جھگڑے کو۔ کیا ڈاکٹر امبیڈکر کا یہ تبصرہ کہ پاکستان کے ساتھ Quarrel ہماری خارجہ پالیسی کا حصہ بن گیا ہے، آج بھی غور طلب نہیں ہے؟ (پ ر)

مسلم ممالک کا بھی کوئی موثر متحدہ فورم ہونا چاہئے

خلیجی تعاون کونسل کی طرز پر دس مسلم ممالک پر مشتمل اکنامک کو آپریشن آرگنائزیشن نے آپس میں فری ٹریڈ یعنی بغیر روک ٹوک کے تجارت کئے جانے اور باہمی رشتوں کو مضبوط کرنے کے علاوہ ایک اسلامک ڈیولپمنٹ بینک قائم کرنے پر جس طرح آمادگی ظاہر کی۔ اگر وہ اسے عملی جامہ پہناتے ہیں تو پوری دنیا، عالم اسلام خصوصاً رکن ممالک پر اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے اور مسلم ممالک کے حق میں اس کے بہتر نتائج نکلیں گے۔ مذکورہ آرگنائزیشن کے بیشتر رکن سابق سوویت یونین سے آزاد ہونے والے ممالک ہیں جن میں آذربائیجان، قزاقستان، کرغزستان، ازبکستان، ترکمانستان اور تاجکستان شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ایران، پاکستان، افغانستان اور ترکی ہیں۔ مستقبل میں عراق بھی آرگنائزیشن کا رکن بن سکتا ہے کیونکہ اس کی دلچسپی بھی اس میں کافی بڑھ گئی۔ گزشتہ دنوں تہران میں آرگنائزیشن کا جو دسواں سربراہ اجلاس ہوا تھا اس میں عراق کے صدر جلال طالبانی مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے جو رکنیت میں دلچسپی کا مظہر ہے۔

اگرچہ مذکورہ اقتصادی تعاون تنظیم کافی پرانی ہے۔ اب تک اس کے دس سربراہ اجلاس ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک تنظیم اپنی پہچان بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اگر تنظیم رکن ممالک میں فری ٹریڈ اور پہلا مسلم ڈیولپمنٹ بینک قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو دنیا میں اس کی پہچان ضرور بن جائے گی اور دیگر مسلم ممالک کی دلچسپی بھی اس میں بڑھے گی۔ فی الحال یہ تنظیم ایک مخصوص خطے کے رکن ممالک پر مشتمل ہے جسے وسعت دے کر عالم اسلام کی نمائندہ اقتصادی تنظیم بنانے کی ضرورت ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تنظیم کا دائرہ کار بڑھایا جائے اور ٹھوس پروگرام و پالیسی بنائی جائے۔

موجودہ دور میں جب پوری دنیا میں علاقائی تعلقات کو فروغ دینے اور آپس میں فری ٹریڈ کو بڑھاوا دینے کا رجحان بڑھا ہے اس کے لئے یکساں کرنسی بھی بنائی جا رہی ہے جیسا کہ یورپی یونین کے رکن ممالک نے یورو بنائی ہے۔ مسلم ممالک اس معاملے میں کافی پیچھے ہیں۔ چھ رکنی خلیجی تعاون کونسل کو چھوڑ کر مسلم ممالک نے ابھی تک اس سمت میں کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ حالانکہ ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ خلیجی تعاون کونسل کا دائرہ کار بہت محدود ہے۔ علاقائی بنیاد پر مذکورہ دس ممالک نے جو منصوبے بنائے ہیں، ان کا بھی دائرہ کار محدود ہے۔ اس میں وسعت دینے کی گنجائش ہے کیونکہ مذکورہ دس ممالک کے قرب و جوار میں مسلم ممالک کی بہت بڑی تعداد ہے۔

یورپی یونین اور یورپی کمیشن کی طرح مسلم ممالک کو بھی کوئی ایسا نمائندہ ادارہ بنانا چاہئے جس کے تحت اہم سیاسی اور معاشی فیصلے ہوں اور مسلم ممالک کا ایک مؤثر متحدہ پلیٹ فارم ہو تاکہ کسی کے ساتھ حق تلفی یا زیادتی ہو تو سبھی مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ موجودہ حالات میں جب امریکہ اور مغربی ممالک نے یکے بعد دیگرے مسلم ممالک کو کسی نہ کسی بہانے نشانہ بنانا شروع کر دیا اور اپنی نام نہاد دہشت گردی کی جنگ پورے طور پر مسلم ممالک پر مرکوز کر دی ہے۔ یورپی یونین اور یورپی کمیشن کی طرز پر مسلمانوں کے ایک مؤثر متحدہ پلیٹ فارم کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ان کے مسائل حل نہیں ہوں گے اور ان پر امریکہ و مغرب کے مظالم اور جانبدارانہ رویہ بند نہیں ہوگا۔

●●

کیا ہندوستان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے؟

عبدالباری مسعود

ہندوستان کی اقتصادی ترقی کے حوالے سے جو خوشنما تصویر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا محاکمہ لندن سے اشاعت پزیر مشہور عالمی جریدہ اکنامسٹ (Economist) نے بھی کیا ہے جو مغرب کے پالیسی سازوں اور پالیسی ساز اداروں میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ جریدہ نے 14 صفحات پر مشتمل ایک خصوصی رپورٹ میں ہندوستان کا ہر پہلو سے جائزہ پیش کرتے ہوئے ہندوستان کو ہاتھی (Elephant) سے تعبیر کیا ہے یعنی ہندوستان کی ترقی محض سراب ہے۔

'An Elephant, not a Tiger' (شیر نہیں بلکہ ہاتھی) کے عنوان سے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان نے گزشتہ پانچ برسوں میں 8.8 فی صد کی شرح سے اقتصادی ترقی کی ہے۔ لیکن اب اسے سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کا اسٹاک مارکیٹ پورے سال نیچے کی طرف گرتا رہا۔ اس کی اقتصادی ترقی تیزی سے ست روی کی طرف گامزن ہے۔ گو ترقی یافتہ ملکوں میں آئی کساد بازاری کا زیادہ منفی اثر ہندوستان پر نہیں پڑے گا کیوں کہ ہندوستان کی برآمدات کا قومی مجموعی پیداوار (GDP) میں حصہ محض 22 فی صد ہے جبکہ چین کا 37 فیصد ہے۔ لیکن ہندوستان کا اصل مسئلہ غربت کی وسیع سطح کو کم کرنے کا ہے۔ ورلڈ بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق 2005 میں ہندوستان میں 456 ملین (45.60 کروڑ) لوگ جو کل آبادی کا 42 فی صد ہے، خط افلاس کے نیچے زندگی گزار رہے تھے۔ جب کہ 1981 میں یہ تعداد 420 ملین (42 کروڑ) یعنی کل آبادی کا 60 فیصد تھی۔ جبکہ ہندوستانی حکومت اس تعداد کو کم بتاتی ہے تاہم سب اس امر پر متفق ہیں کہ غریبوں کی تعداد بہت ست روی سے کم ہو رہی ہے جو مذکورہ اعداد و شمار سے بالکل واضح ہوتی ہے۔

اب ان افسوسناک حقائق کو دیکھیں۔ ہندوستان میں دائمی طور پر ناقص تغذیہ (نامناسب غذا) کے شکار بچوں کی تعداد 60 ملین (6 کروڑ) ہے جو دنیا کے ناقص تغذیہ کے شکار بچوں کی کل تعداد کا 40 فیصد ہے۔ 2006 میں 21 لاکھ بچے اسی وجہ سے لقمۂ اجل بنے جو چین کے مقابلہ میں پانچ گنا سے زیادہ ہے۔ اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے جریدہ (اکنامسٹ) کہتا ہے کہ غربت کو دور کرنا ایک بہت ہی مشکل کام ہے کیوں کہ ہندوستان کی 65 فیصد آبادی زراعت پر منحصر ہے جو اس کی GDP کا 18 فیصد سے بھی کم ہے۔ اتنی بڑی آبادی کو دیگر کارآمد پیشوں کی طرف منتقل کرنا آسان کام نہیں۔ کیونکہ ایک اندازہ کے مطابق ہر سال ایک کروڑ 40 لاکھ افراد لیبر مارکیٹ میں شامل ہوتے ہیں اور اس میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی نصف آبادی 25 سال سے کم عمر اور 40 فیصد 18 سال کے اندر ہے۔ یہ سب سافٹ ویئر کمپنیوں جیسے Infosys میں تو کام نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ تعلیم کے شعبہ پر پوری توجہ نہ دینا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق روزگار کے متلاشیوں میں صرف 20 فیصد ہی کچھ نہ کچھ پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کئے ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں جو چھوٹے کارخانہ دار ہیں جن کے پاس تقریباً 87 فیصد روزگار کے مواقع ہیں وہ 10 یا اس سے بھی کم ملازم رکھتے ہیں۔

سیاسی صورت حال کے حوالے سے جریدہ رقم طراز ہے۔ ''زیادہ تر ہندوستانی سیاستدانوں کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ بدعنوان اور اقتدار کے بھوکے ہیں۔ یہ بات کچھ حیرت انگیز نہیں ہے۔ ہندوستان کے غریب اور ذات پات میں منتشر معاشرے میں مراعات کی سیاست ایک ناگزیر حقیقت بن گئی ہے یعنی جو بھی جماعت یا گروہ برسر اقتدار آتا ہے وہ اپنے حامی گروہ کا خیال کرتا ہے۔ تاہم حالیہ برسوں میں ہندوستان کا سیاسی منظرنامہ مزید پراگندہ ہو گیا ہے جس میں علاقہ پرستی اور ذات پرستی پر مبنی سیاسی جماعتیں بہت تیزی سے ابھری ہیں اور جو علانیہ طور پر مراعات کی سیاست کرتی ہیں جس سے ملک کے سیاسی استحکام کے لئے مستقبل میں خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

مغربی ملکوں بالخصوص امریکہ اور برطانیہ کے اقتصادی بحران کا راست اثر ہندوستان پر پڑ سکتا ہے۔ ہندوستان کی کمپیوٹر سرویز کمپنیاں جنہیں امریکہ اور برطانیہ کو اپنی برآمدات سے 85 فیصد آمدنی حاصل ہوتی ہیں۔ انکی 30 تا 40 فی صد سرویز اس سے بری طرح متاثر ہو سکتی ہیں۔ واضح رہے کمپیوٹر سرویز سے ہندوستان کو 50 بلین ڈالر سے زیادہ سالانہ آمدنی ہوتی ہے جو ہندوستان کی برآمدات کی مالیت کا 16 فیصد ہے۔ اور اس کا بالراست اثر زیادہ دور رس ہے۔ کیوں کہ ہندوستان کی انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبہ میں پیش رفت اس کے لیے اعتماد پیدا کرنے کا باعث ہے۔

ہندوستان کی سبسیڈی کے متعلق پالیسیاں غیر معقول نظر آتی ہیں اور مختلف حکومتوں کو بھی اس کا احساس رہا ہے لیکن کسی کو بھی اس کو تبدیل یا ختم کرنے کی جرات نہیں ہے۔ بطور مثال حکومت نائٹروجن سے بننے والی کھاد تیار کرنے والی کمپنیوں کو نقد کی شکل میں بڑی مقدار میں سبسیڈی دیتی ہے۔ لیکن وہ غیر معیاری کھاد تیار کرتی ہیں جس سے نہ صرف زرعی اراضی زہر آلود ہو رہی ہیں بلکہ کاشت کار بھی اس زہر کا شکار بن رہے ہیں۔ حکومت زرعی شعبہ میں کھادوں پر تقریباً 23 بلین (ارب) ڈالر رقم بطور سبسیڈی خرچ کرتی ہے۔ امسال مجموعی سبسیڈی کی رقم GDP کا تین فیصد ہونے کا اندازہ ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ پائیدار ترقی کے لیے بنیادی ڈھانچہ (Infrastructure) یعنی مواصلات، سڑکیں، بجلی، پانی وغیرہ کا وافر انتظام از حد ضروری ہے۔ لیکن یہی چیز ہندوستان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اکنامسٹ رقم طراز ہے:

یہ جاننے کے لیے ہندوستان میں دستوں (Diarrhoea) سے روزانہ ایک ہزار بچے کیوں مرتے ہیں؟ آپ بنارس میں دریائے گنگا کے کناروں کا تفصیلی جائزہ لیں۔ یہ دریا جیسے ہی شہر میں داخل ہوتا ہے، ہندو دھرم کے اس مقدس دریا کے فی 100 ملی لیٹر پانی میں بیکٹریا کی تعداد 60000 سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مقدار نہانے کے لیے صاف پانی کی مقدار سے بھی 120 گنا سے زیادہ ہے۔ یعنی گنگا کا پانی نہانے کے بھی لائق نہیں ہے۔ اس کے طویل بہاؤ میں 24 گندے نالے آملتے ہیں اور یہاں ہر روز 60000 یاتری 'اسنان' کرتے ہیں۔ جبکہ اسنان کرنے والوں کی یہ تعداد حفظان صحت کے مقرر کردہ ہدف سے 3000 گنا زیادہ ہے۔ کئی مقامات پر تو گنگا کا پانی کالا اور تیزابی ہو جاتا ہے۔ مردہ جانور، ادھ جلی لاشیں یا کپڑے میں لپٹے ہوئے بچوں کی لاشیں تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

ہندوستان میں گندے پانی اور غلاظت کی نکاسی کا انتظام کی صورت حال ناقابل بیان ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس کی 1.1 ارب آبادی سے جو غلاظت اور گندہ پانی خارج ہوتا ہے اس کی صرف 13 فیصد مقدار کی نکاسی کا انتظام ہو پاتا ہے۔ ایک تخمینہ کے بموجب 70 کروڑ لوگوں کے لیے مناسب بیت الخلاء نہیں ہیں جن کی ایک بڑی تعداد کو کھلے آسمان کے نیچے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونا پڑتا ہے۔ بچوں کی ناقص تغذیہ کا شکار ہونے ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ صحت وصفائی کا انتظام بہت ہی خراب ہے۔

اس امر کو عام طور پر سب تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان کا انفرا اسٹرکچر بہت ہی خستہ حال ہے۔ جس کا لامحالہ اثر ملک کی اقتصادیات پر پڑ رہا ہے۔ ہندوستان کی بندرگاہیں، سڑکیں، ریلوے نظام، طیران گاہیں، اپنی استعداد سے زیادہ بوجھ اٹھا رہی ہیں۔ ہندوستان میں درآمدی سامان کو بندرگاہ سے اتارنے کے لیے 21 دن کا وقت لگتا ہے۔ جب کہ سنگاپور میں محض تین دن لگتے ہیں۔ ممبئی کی جواہر لال نہرو پورٹ ٹرسٹ (Port Trust) پر بحری راستے سے آنے والی ہندوستان کی 60 فیصد درآمدات کو اتارنے کے لیے محض نو بار بردار جہاز کھڑے رہنے کی سہولت حاصل ہے جب کہ سنگاپور کی صدر بندرگاہ پر بیک وقت 40 مال بردار جہاز کھڑے ہو سکتے ہیں۔

گزشتہ دو برسوں میں ہوائی جہاز سے سفر کرنے والوں کی تعداد میں 30 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس کا اثر ہندوستان کے چار بڑے ہوائی اڈوں پر صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہ مسافروں کے اس بوجھ سے تڑخ رہے ہیں۔

ہندوستان میں 33 لاکھ کلومیٹر طویل سڑکوں کا جال ہے جو دنیا کا دوسرا بڑا روڈ نیٹ ورک ہے، لیکن سڑکوں کی حالت بڑی خراب ہے۔ سابقہ حکومت نے نیشنل ہائی وے کی تعمیر کا بڑا منصوبہ شروع کیا تھا لیکن یہ مجملہ سڑکوں کا محض دو فی صد ہے جبکہ 12 فیصد یا 8000 کلومیٹر سڑکیں دو رویہ ہیں۔ اس کے برعکس چین میں 2007 تک 53600 کلومیٹر چار لین (رویہ) اور اس سے زیادہ لین والی سڑکیں تیار ہو چکی ہیں۔ ہندوستان کی بڑی بڑی سڑکیں کھچا کھچ بھری ہوتی ہیں۔ جس پر ٹرافک کی اوسط رفتار 10 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ دہلی میں 1997 میں 27 کلومیٹر فی گھنٹہ اوسط رفتار تھی جو آج کم ہو کر 10 کلومیٹر رہ گئی ہے۔ اب ٹاٹا کمپنی نے دس لاکھ نینو کاریں لانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ مخدوش سڑکیں کیا ان نئی کاروں کا بوجھ برداشت کر پائیں گی۔ کیوں کہ گزشتہ سال ہندوستان میں 130000 لوگ سڑک حادثوں میں ہلاک ہو چکے ہیں جو چین کے مقابلے میں 60 فیصد زیادہ تعداد ہے جہاں ہندوستان کے مقابلے میں چار گنا زیادہ کاریں ہیں۔

اس سے بڑا مسئلہ توانائی کی قلت کا ہے۔ ورلڈ بینک کے مطابق نو فیصد صنعتی پیداوار بجلی کی کٹوتی کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے۔ تقریباً 60 کروڑ ہندوستانی بجلی کی سہولت سے محروم ہیں۔ توانائی کی مانگ اور فراہمی میں اس زبردست چیلنج کو دور کرنے کے لیے حکومت نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے لیکن اس کے کوئی اچھے نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں۔ آئندہ پانچ برسوں میں ہندوستان نے سالانہ 90000 میگاواٹ (MW) یا 14 فیصد بجلی پیدا کرنے کا ہدف مقرر کیا ہے۔ جب کہ چین نے 2007 میں MW 100000 بجلی کا اضافہ کیا ہے، ہندوستان یہ ہدف کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ پچھلے سال وہ صرف MW 7000 کی بجلی کا اضافہ کر پایا۔ عالمی فرم Mckinsey کے ماہرین کی دلیل ہے کہ ہندوستان کا توانائی کی پیداوار کا منصوبہ بڑا معمولی نوعیت کا ہے۔ ان کے مطابق ہندوستان کو سالانہ MW 20000-25000 اضافی بجلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے 600 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی ضرورت ہے جبکہ ایک اور بڑا مسئلہ بجلی کی چوری کا ہے۔ ہندوستان میں ایک اندازہ کے مطابق 35 فیصد بجلی چوری ہوتی ہے۔

تعلیمی نظام میں بھی انقلابی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے۔ آج تقریباً تمام بچے اسکول جاتے ہیں۔ گزشتہ سال ایک غیر سرکاری تنظیم ASER نے 16000 دیہاتوں کا سروے کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ 96 فیصد بچے اسکول جا رہے ہیں۔ لیکن تصویر کا دوسرا رخ بڑا تاریک ہے یعنی اسکولوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ 10 سال کی عمر کے آدھے سے زیادہ بچے پڑھ ہی نہیں سکتے ہیں جبکہ بنیادی معیار یہ ہے کہ چھ سال کی عمر میں بچہ پڑھنے کے لائق بن جاتا ہے۔ 60 فیصد بچے تقسیم کا آسان حساب بھی نہیں کر سکتے۔ ورلڈ بینک کے ایک جائزے کے مطابق اساتذہ کی نصف سے زیادہ تعداد پڑھانے کے لیے اسکول کا رخ ہی نہیں کرتی ہے اور ہندوستانی بچوں کی نصف تعداد 14 سال کی عمر میں تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی صورت حال بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں ہے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں اعلیٰ تعلیم میں داخلہ کی شرح سات سے 13 فیصد رہی۔ تاہم ہندوستان کی 348 یونیورسٹیوں اور 18000 کالجوں میں تعلیم کا معیار عموماً پست ہے۔ حال ہی میں دنیا کی 500 بہترین یونیورسٹیوں کے بارے میں شنگھائی کی Jio Long یونیورسٹی نے جو سروے کیا تھا اس میں ہندوستان کی صرف دو یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ IT صنعت کے لابی گروپ NASSCOM کے مطابق ہر سال جو 350000 انجینئر بنتے ہیں وہ زیادہ تر نجی کالجوں کے فارغین ہوتے ہیں ان میں سے 25 فیصد روزگار پر لگانے کے اہل ہی نہیں ہوتے۔ انہیں مزید تربیت دینے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ ان کی نصف فیصد تعداد تو بالکل ہی روزگار کے لائق نہیں ہوتی ہے۔

عالمی معاملات اور بالخصوص اپنے پڑوسیوں سے تعلقات کے حوالے سے ہندوستان کے بارے میں اکنامسٹ کہتا ہے کہ درحقیقت جمہوری ہندوستان، کمیونسٹ چین کے مقابلے میں اکثر عالمی سطح پر غیر اصولی موقف اختیار کرتا ہے۔ بطور مثال، وہ میانمار (برما) کی استبدادی حکومت کی مذمت نہیں کرتا، چونکہ اس کے پاس پیٹرول اور قدرتی گیس ہے جس کی ہندوستان کو ضرورت ہے۔

یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ جیسا کہ اکنامسٹ کے سابق ایڈیٹر Emmott کا خیال ہے کہ ابھرتے ہوئے چین کے خوف سے ہی سابق امریکی صدر جارج بش ہندوستان کو چین کا مدمقابل کھڑا کرنا چاہتے تھے اسی لیے انہوں نے ہندوستان کے ساتھ جوہری معاہدہ کیا۔ لیکن ہندوستان کس طرح کی ابھرتی ہوئی طاقت ہے؟ اس کا اندازہ اس جائزے سے ہوتا ہے۔

پڑوسی کی حیثیت سے ہندوستان کو اپنے ہمسایوں کے تئیں مثالی نہیں کہا جا سکتا۔ اکنامسٹ کے مطابق ''ہمسایہ ملکوں بشمول پاکستان کی سیاست میں دخل اندازی کے سلسلے میں ہندوستان کی ایک طویل تاریخ ہے۔ نیپال اس کے حوالے سے تازہ مثال ہے جہاں گزشتہ سال اپریل میں ہوئے پہلے انتخابات پر ہندوستان کی پوری چھاپ نظر آتی ہے۔ وہاں ایک اپنی ہمنوا حکومت بنانے کے لیے اس کے ایجنٹوں نے امیدواروں اور سیاسی جماعتوں کو بھرپور پیسہ دیا اور انہیں تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ جس کے باعث یقیناً ماؤسٹ گوریلوں کی پارٹی کو کامیابی حاصل کرنے میں مدد ملی جسے ہندوستان سخت ناپسند کرتا ہے''۔

ورلڈ بینک کی ایک سالانہ رپورٹ جو گزشتہ سال جاری ہوئی تھی کے مطابق جنوبی ایشیا دنیا کا واحد خطہ ہے جہاں کے ملکوں میں بہت کم ہم آہنگی ہے۔ اس خطہ کے ملکوں کے درمیان باہمی تجارت کی مالیت ان کے مجموعی GDP کے دو فیصد سے بھی کم ہے۔ جبکہ مشرقی ایشیا کے خطے میں تجارتی مالیت کا تناسب 20 فیصد سے زیادہ ہے۔ حالانکہ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے اعلان کیا تھا کہ علاقائی تجارت کو ترقی دی جائے گی۔ ان کا خواب ہے کہ ''ناشتہ امرتسر میں، لنچ لاہور میں اور رات کا کھانا (ڈنر) کابل میں'' لیکن اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ہندوستان کو ایک طویل سفر طے کرنا پڑے گا۔

ہندوستان میں امیر اور غریب کے درمیان اور ریاستوں کے درمیان معاشی تفاوت بڑھتا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی معیشت سالانہ 7.37 فیصد کے حساب سے ترقی کر رہی ہے لیکن دولت مند ریاستیں تیزی سے ترقی کر رہی ہیں جبکہ غریب ریاستیں ان سے پیچھے رہ گئی ہیں۔ 1999 سے 2008 کے دوران میں گجرات کی شرح نمو 8.8 فیصد، ہریانہ کی 8.7 فیصد اور دہلی کی 7.4 فیصد رہی۔ جبکہ غریب ترین ریاستوں میں بہار کی شرح نمو 5.1 فیصد اور اتر پردیش کی 4.4 فیصد رہی جو سب زیادہ آبادی والی ریاستیں ہیں اور مدھیہ پردیش کی شرح نمو تو محض 3.5 فیصد ہی ہے۔ یہ ریاستیں ہندوستان کی ترقی کی رفتار کی راہ میں بھاری سدراہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ورلڈ بینک ہندوستان میں کئی شاندار کمپنیاں ہونے کے باوجود اسے سرمایہ کاری اور تجارت کے حوالے سے وہ مقام کیوں نہیں دیتا جس کا وہ مستحق ہے۔ جس کی سرمایہ کاری کی فہرست میں ہندوستان کا 122 واں مقام ہے جو پاکستان سے بھی 45 درجہ نیچے ہے۔ یعنی پاکستان کو تجارت و سرمایہ کاری کے لحاظ سے ہندوستان پر سبقت اور فوقیت حاصل ہے۔

ہندوستان کی معیشت جس تیزی سے ترقی کر رہی ہے اس تیزی سے علاقائی تفاوت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ جو 260 اسپیشل اکنامک زون (SEZs) منظور ہوئے ان کی بڑی تعداد دولت مند ریاستوں میں ہے۔ ان میں سے تمل ناڈو میں 42، مہاراشٹر میں 38 اور گجرات میں 23 ہیں۔

ہندوستان کی معیشت جس تیزی سے ترقی کر رہی ہے اس تیزی سے علاقائی تفاوت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ جو 260 اسپیشل اکنامک زون (SEZs) منظور ہوئے ان کی بڑی تعداد دولت مند ریاستوں میں ہے۔ ان میں سے تمل ناڈو میں 42، مہاراشٹر میں 38 اور گجرات میں 23 ہیں۔

ایک اور افسوسناک بات یہ ہے کہ ہندوستان کے معیار زندگی میں بہتری کے کوئی شواہد موجود نہیں ہیں۔ دو معاشیات دانوں رویش بھنڈاری اور وویک اوبرائے نے حال ہی میں ایک جائزہ کا اہتمام کیا تھا جس میں سماجی اور معاشی ترقی کے 8 نکات کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ ایک سے 10 پوائنٹ کی ریٹنگ میں ملک کی ایک تہائی آبادی محض 1.5 پوائنٹ حاصل کر پائی، جس سے معلوم ہوتا ہے زندگی کا معیار کس قدر پستی میں ہے۔

اکنامسٹ کے اس جائزہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ترقی کے بلند و بانگ دعویٰ کے باوجود ہندوستان کو اقوام عالم میں اپنا مقام بنانے کے لیے ابھی بہت دور جانا ہے بالخصوص ہندوستانی معیشت کو بڑھتے ہوئے مالی خسارہ اور بیرونی قرضوں سے کئی دہائیوں تک نجات ملنے کی اُمید نہیں ہے۔ ماہرین کے مطابق ہندوستانی بجٹ کا 20 فیصد حصہ قرضوں کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے جبکہ مالی خسارے کی شرح قومی مجموعی پیداوار (GDP) کی 13 فیصد تک جا سکتی ہے جو ایک خطرے کی گھنٹی ہے۔ اس لئے ہندوستان کو سب سے پہلے اپنے گھر کی اصلاح کی طرف توجہ دینا ضروری ہے جو اس کی ترقی میں اصل رکاوٹ ہے۔

●●

رسول اللہ ﷺ سے محبت

محمد سیف اللہ کوٹہ (راجستھان)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اے محمدؐ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے آپ کے اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کر لیں (اس کو مکمل طور پر مان لیں) (سورۃ النساء ۶۵)'' ایک اور جگہ ہے ''اور کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔'' (سورۃ الاحزاب ۳۶) ایک جگہ ارشاد ہے: ''جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔ (سورۃ الحشر ۷) قرآن میں بھی ارشاد ہے: ''اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم بھی بکثرت ان پر درود وسلام بھیجو۔'' (سورۃ الاحزاب ۵۶)

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل کی خواہش اُسی (شریعت) کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ (شرح السنۃ) ایک حدیث میں نبیؐ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اپنے آپ سے اپنی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری و مسلم) ایک اور حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا: ''میری تمام اُمت جنت میں جائے گی سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! اور انکار کون کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے (میری اطاعت سے) انکار کیا۔'' (بخاری) ایک دوسری حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (بخاری) ایک حدیث میں رسول اللہ فرماتے ہیں: جس شخص نے میری اُمت کے بگاڑ کے زمانے میں میری سنت کو اختیار کیا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (بیہقی)

قرآن وحدیث کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی صحیح معنوں میں مومن اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کو عزیز رکھے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ اللہ کی راہ میں مال، اولاد یہاں تک کہ اپنی جان تک قربان کرنے سے بھی گریز نہ کرے۔ ہم حقیقی مومن اسی وقت بن سکتے ہیں جب کہ دل سے فکر وعمل کے اس راستہ کو اختیار کریں جس کی طرف رہنمائی حضورؐ نے فرمائی ہے اور دل سے اس بات کو مان لیں کہ حق وہی ہے جسے نبی نے حق کہا ہے اور جسے آپؐ نے غلط قرار دیا ہے وہ حقیقت میں غلط ہے۔ ہم زندگی کے ہر شعبے میں آپؐ کی مکمل پیروی کریں۔ جن کاموں کے کرنے کا حکم آپ نے دیا ہے اسے کریں اور جن سے منع کیا ہے اس سے رُک جائیں۔

●●

پندرہویں لوک سبھا کے انتخابات میں مسلم ووٹ کی اہمیت

محبوب فرید، ملے پلی، حیدرآباد

ملک کے ۱۵ویں لوک سبھا انتخابات کا اعلان ہو چکا ہے۔ کئی ریاستوں بشمول آندھرا پردیش اسمبلی انتخابات بھی ہونے والے ہیں۔ سیاسی مبصرین کی رائے میں گزشتہ کی طرح اس بار بھی کوئی ایک سیاسی پارٹی برسر اقتدار نہیں آسکے گی۔ مخلوط پارٹیوں کا سیاسی کلچر برقرار رہے گا۔ قومی سطح پر ہنوز وہی پارٹیاں کانگریس اور بی جے پی ہیں جو دراصل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ تیسرا محاذ ہمیشہ کی طرح خلفشار کا شکار ہے۔ ہندوستان کی بارک اوبامہ بننے کے لئے مایاوتی پر تول رہی ہیں۔ مگر دلی ابھی دور ہے۔ علاقائی، لسانی وسماجی پارٹیوں کے علاوہ سی پی آئی اور سی پی ایم کانگریس کے ووٹ کاٹ سکتے ہیں۔ ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں بشمول بی جے پی کو اس حقیقت کا ادراک ہے کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کے ووٹوں کے بغیر کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ آزادی کے اکسٹھ سال بعد بھی اقلیتیں بالخصوص مسلمان تعلیمی سماجی، سیاسی ومعاشی استحصال کا شکار ہیں۔ 6 دسمبر 1992ء کو ملک دشمن، فسطائی طاقتوں نے دن کی روشنی میں بابری مسجد شہید کر دی۔ اس وقت کے وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے اس واقعہ کو ملک کے ساتھ ''وشواس گھات'' سے تعبیر کیا تھا۔ اور اسی جگہ مسجد تعمیر کرانے کا وعدہ کیا تھا جو آج تک پورا نہیں ہوا۔ ملزمین کو کیفر کردار کو نہیں پہنچایا گیا۔ اس کی ذمہ داری کانگریس کے ساتھ کلیان سنگھ پر بھی ہے جو اب بی جے پی سے ناامید ہو کر سماج وادی پارٹی سے مفاہمت کر چکے ہیں۔ جوڑ توڑ کی سیاست پورے عروج پر ہے۔ امریکہ سے نیوکلیئر (ہائیڈ ایکٹ) معاہدہ کے موقع پر سماج وادی پارٹی کے امر سنگھ نے کانگریس کی ڈوبتی نیا کو بچالیا۔ اسی پارٹی کے قائد ملائم سنگھ یادو کو حیثیت سے زیادہ دولت کے الزام میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔ چنانچہ امر سنگھ نے شرد پوار کو مستقبل کا وزیر اعظم تسلیم کر لیا۔ این سی پی کے بھوجل شیوسینا، سپریمو بال ٹھاکرے سے برسوں بعد خیرسگالی ملاقات کے لئے ان کے گھر پہنچ گئے۔ مہاراشٹرا اسمبلی انتخابات کے موقع پر کانگریس سے شدید ناراضگی کا اظہار کرنے والے قائد نرائن رانے بار بار دلی جا کر کانگریس ہائی کمان اور دیگر قائدین کو راضی کرنے کے لئے معذرت کر لی اور پھر سے کانگریس میں شامل ہو گئے۔ شیوسینا برسوں سے بی جے پی اور این سی پی کانگریس کی حمایتی تھی۔ لیکن جب سے شیوسینا اور این سی پی میں کھچڑی پکنے لگی تو بال ٹھاکرے نے مستقبل کے بی جے پی کے وزیر اعظم لال کرشن آڈوانی سے ملاقات کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ اب بی جے پی کو خط دیکھ کر مضمون سمجھ لینا چاہئے۔ کرناٹک مدھیہ پردیش، اتر پردیش، گجرات اور ہماچل پردیش کے اسمبلی انتخابات میں کانگریس کو شکست وہزیمت برداشت کرنی پڑی۔ دہلی، راجستھان چھتیس گڑھ میں بی جے پی کو دھول چاٹنی پڑی۔ گجرات میں نریندر مودی کی کامیابی سے بوکھلائی بی جے پی نے مستقبل میں وزیر اعظم لال کرشن آڈوانی کو بنانے کا اعلان کر دیا۔ ملک کی تمام پارٹیوں نے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ عوام ایسی پارٹی اور لیڈر کی تلاش میں ہیں جو انسانیت، امانت ودیانت، سچائی، عدل وقسط، ایثار وقربانی اور ملک وقوم سے سچی محبت وہمدردی کرنے والا ہو۔ جو عوام کو سماجی، معاشی اور سیاسی حق دلا سکے۔ کم از کم عزت کے ساتھ دو وقت کی روٹی دلا سکے۔

یو پی اے سرکار کے برسر اقتدار آتے ہی وزیر اعظم من موہن سنگھ نے مسلمانوں کو فلاح وبہبود کے لئے پندرہ نکاتی فارمولا پیش کیا۔ جس سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بیشتر مسائل حل ہو جائیں گے۔ اقلیتی وزارت قائم کی گئی۔ کمیشن اور کمیٹی قائم کی گئی۔ مگر پھر وہی ڈھاک کے تین پات۔ مسلمان آج بھی اُسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں پہلے کھڑے تھے۔ سچر کمیٹی رپورٹ میں مسلمانوں کی صورت حال کو دلتوں سے بھی بدتر تسلیم کیا گیا۔ تعلیمی معاشی اور سیاسی سطح پر مسلمان آج بھی انتہائی پستی میں ہیں۔ دو سال رپورٹ پیش کرنے اور تین سال سفارشات اور عمل آوری پر غور وخوض میں نکل گئے اور اب تو صدر جمہوریہ ہند پرتبھا پاٹل نے لوک سبھا میں اعلان فرما دیا کہ کانگریس نے اپنے کئے ہوئے تقریباً تمام وعدے پورے کر دیے۔

علیحدہ ریاستوں کی تشکیل کا معاملہ پھر زور پکڑتا دکھائی دے رہا ہے۔ جس میں تلنگانہ سرفہرست ہے۔ تلنگانہ راشٹریہ سمیتی نے گزشتہ انتخابات کے بعد یو پی اے سرکار کی حمایت اسی شرط پر کی تھی کہ علیحدہ تلنگانہ ریاست تشکیل دی جائے گی۔ کانگریس چار سال ٹی آر ایس کو تسلی دے کر معاملہ کو طول دیتی رہی اس دوران ٹی آر ایس بھی اقتدار کے مزے لوٹتی رہی۔ ایک سال قبل ٹی آر ایس کے ارکان پارلیمان، ارکان اسمبلی اور ارکان قانون ساز کونسل نے استعفیٰ دے دیا۔ ضمنی انتخابات میں ٹی آر ایس نے اپنی پچھلی نشستیں کھو دیں۔ جس کا راست فائدہ کانگریس اور تلگودیشم کو ہوا۔ کانگریس ہائی تلنگانہ کے حق میں کوئی دوٹوک فیصلہ کرنے کے موقف میں نہیں ہے۔ اس معاملہ میں خود ریاستی کانگریس میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور آندھرا پردیش کے مسلمانوں کی رائے جانے بغیر تلنگانہ کی تشکیل مشکل ہے اور اب عظیم اتحاد کے نام پر ٹی آر ایس تلگو اور دیگر پارٹیاں مفاہمت کر چکی ہیں۔ فلم اسٹار چرنجیوی کی پرجا راجیم پارٹی بھی دیگر پارٹیوں کے ساتھ مفاہمت کر رہی ہے۔ گزشتہ انتخابات سے قبل تلگودیشم پارٹی کے لیڈر چندرا بابو نائیڈو نے بی جے پی کی حمایت کی۔ لال کرشن آڈوانی کی یاترا میں ان کے ساتھ رہے۔ مسلمانوں کے ووٹوں کا غلط اندازہ قائم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نو سال سے حکومت کے نشے میں چور تلگودیشم پارٹی انتخابات میں ہار گئی۔ مسلم متحدہ محاذ جس میں جماعت اسلامی اور دیگر پارٹیاں پیش پیش ہیں، اس کا راست فائدہ کانگریس کو پہنچا۔ اب کیا حکمت عملی اپنائی جائے۔ یہ بات طے ہے کہ آندھرا پردیش کے عوام پھر ایک بار تبدیلی چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی دو رائیں نہیں کہ 545 پارلیمانی نشستوں میں کم از کم 110 نشستوں پر مسلمان قابض ہو سکتے ہیں۔ جب کہ صحیح رہنمائی اور حکمت عملی اپنائی جائے۔ ریاستی وقومی سطح پر مسلم قیادت کو پروان چڑھانے کی شدید ضرورت ہے۔ آندھرا پردیش میں پندرہ فیصد مسلمان ہیں۔ اس لحاظ سے چالیس سے پینتالیس اسمبلی اور دو تا چار نشستیں لوک سبھا کے لئے آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جب کہ مسلمان آپسی اور شخصی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انسانیت کی فلاح وبہبود عدل وقسط کے قیام کے لئے آگے آئیں۔

اب جب کہ پندرہویں لوک سبھا کے انتخابات ہونے والے ہیں مسلمانوں کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ ہر ریاست میں ایک دیانت دار مخلص بے باک اور باثر مسلم سیاسی قیادت اُبھرے۔ ملک کے بیشتر لوگ سیکولر ذہنیت کے حامل ہیں۔ امن وسکون چاہتے ہیں۔ ان سے بالراست گفتگو کی جا سکتی ہے۔ ان کے ساتھ مفاہمت ومعاہدہ کیا جا سکتا ہے جتنی ضرورت ہم کو ہے اتنی ہی ضرورت ان کو ہماری ہے۔

●●

دعوت
۱۹/ مارچ ۲۰۰۹ء

فلپائن میں مسلم خودمختار علاقہ

فلپائن کے جنوبی علاقے میں گزشتہ چالیس برسوں سے جاری آزادی کی تحریک میں اس وقت جزوی کامیابی ملی جب وہاں کی حکومت ایک مسلم خود مختار علاقہ بنانے پر راضی ہوگئی۔اطلاعات کے مطابق ۱۹۹۶ء میں اوآئی سی اور انڈونیشیا کی ثالثی میں حکومت اور آزادی کی تحریک چلانے والے مورونیشنل لبریشن فرنٹ نے جس امن معاہدے پر دستخط کیا تھا، اب حکومت اسے عملی جامہ پہنانے کی تیاری کررہی ہے۔حکومت کے نائب امن مشیر نبیل ٹان کا کہنا ہے کہ حکومت اور مورونیشنل فرنٹ دونوں مل کر جنوبی علاقے میں ایک مسلم خودمختار علاقہ بنانے کے لئے نئے قانون کا مسودہ تیار کریں گے تاکہ آئین میں علاقہ کی خودمختاری کوجگہ دی جاسکے۔

فلپائن کا جنوبی علاقہ جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے، کافی پسماندہ ہے اور گزشتہ چالیس برسوں سے وہاں جاری تشدد نے اورزیادہ پسماندہ بنادیا۔ایک تو وہاں پہلے ہی سے بہت کم ترقیاتی کام ہورہے تھے جو تھوڑے بہت ہورہے تھے وہ بھی تشدد کی وجہ سے بند ہوگئے۔حکومت مسلم اکثریتی علاقے کے ساتھ سوتیلا سلوک کررہی تھی اوران کے مسائل کونظرانداز کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھی۔اس کے نتیجے میں علاقے کے مسلم آبادی کو برابر حکومت سے امتیازی سلوک کی شکایت رہتی تھی۔اس کالازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت سے مایوس ہونے کے بعد علاقے کے لوگوں نے آزادی کا راستہ چنا تاکہ علیٰحدگی کے بعد خود وہ اپنے مسائل حل کرسکیں۔ اس کے لئے انھوں نے تحریک شروع کردی جسے حکومت نے بغاوت کا نام دے دیا اوراسے کچلنا شروع کردیا لیکن علاقے کی سب سے بڑی نمائندہ تنظیم مورونیشنل لبریشن فرنٹ نے ہمت نہیں ہاری۔تحریک کتنی منظم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ گزشتہ چالیس برسوں سے وہاں مسلسل آزادی کی تحریک چل رہی ہے جو بعد میں حکومت کی غیر دانشمندی اور مظالم کی وجہ سے پرتشدد بھی ہوگئی۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں تشدد کی وجہ سے اب تک تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار لوگ مارے جاچکے ہیں۔اس کے باوجود تحریک اپنی رفتار سے چلتی رہی اور حکومت تحریک چلانے والوں کوان کے حقوق دینے اوران کے ساتھ امن معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگئی۔

حکومت کا جنوبی فلپائن میں مسلم خودمختار علاقہ بنانے کے لئے قانون میں ترمیم کرنے کے لئے تیار ہونا اگرچہ تحریک کی جزوی کامیابی ہے لیکن وہ بہت بڑی کامیابی ہے۔کیونکہ وہاں کے مسلمانوں نے تحریک میں کامیابی کی پہلی سیڑھی تو طے کرلی۔ اگراسی طرح انھوں نے اتحاد واستقلال کا ثبوت دیا تو آگے اور بھی بہت سے مراحل طے ہوں گے کیونکہ کامیابی کے دروازے کھل گئے۔فی الحال خودمختار علاقہ بننے سے کئی مسائل حل ہونے کا انتظام ہوجائے گا۔ جہاں تک علاقے کی ترقی کا تعلق ہے تو یہ اب بھی تنظیم اسلامی کانفرنس (اوآئی سی) کے رکن ممالک کی طرف سے مالی امداد پر منحصر ہوگی کیونکہ فلپائن کی حکومت اسی وقت علاقہ کی خودمختاری اوروہاں ترقیاتی کام کرانے پر راضی ہوئی جب اوآئی سی کے رکن ملکوں نے مالی امداد کا یقین دلایا۔

فلپائن کے جنوبی علاقے میں جو تحریک مسلمان گزشتہ چالیس برسوں سے چلارہے تھے،اس طرح کی تحریکیں دنیا کے کئی حصوں میں مسلمان چلارہے ہیں۔چیچنیا کی آزادی کی تحریک بھی کچھ اسی نوعیت کی ہے۔ بوسنیا ہرزیگووینا اور کوسووغیرہ میں انہیں کامیابی بھی ملی اورانہیں طویل جدوجہد اورکافی جانی ومالی نقصانات کے بعد آزادی مل گئی، ان کے مقابلے میں فلپائن میں جدوجہد کا جو ثمرہ ملا ہے وہ کافی کم ہے پھر بھی اس سے فوری طور پر کئی مسائل حل ہونے کے راستے کھل گئے ہیں۔اب اسی کی روشنی میں جنوبی فلپائن کے مسلمان آگے کالائحہ عمل طے کرسکتے ہیں اور مستقبل کی پالیسیاں وپروگرام مرتب کرسکتے ہیں۔

ذات پات کی سیاست سے کوئی بھی پارٹی محفوظ نہیں ہے

الیکشن میں پارٹی کے امیدواروں کے انتخاب کے لئے صلاحیت کونہیں ذات وبرادری کی آبادی کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔مسلمانوں کی آبادی اوران کے دعوے کو اکثرنظرانداز کردیا جاتا ہے

اگرچہ ملک میں ذات پات کی سیاست کے لئے بہوجن سماج پارٹی ملک میں مشہور ہے جبکہ شیوسینا اور مہاراشٹر نونرمان سینا علاقہ پرستی کی سیاست کے لئے جانی جاتی ہیں۔لیکن اگر دیکھا جائے تو کوئی بھی سیاسی پارٹی حتیٰ کہ کانگریس اور بی جے پی بھی ان امراض سے محفوظ نہیں ہیں۔یہ اور بات ہے کہ یہ پارٹیاں اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتیں اس لئے وہ بدنام نہیں ہیں۔اگر کسی پارٹی کو آزمانا ہے تو امیدواروں کے انتخاب کے اس کے طریقہ کار کو دیکھا جاسکتا ہے جس میں اہلیت کی بنیاد امیدوار کی صلاحیت کونہیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ حلقے میں کس ذات کی آبادی زیادہ ہے اور بڑے شہروں میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کس علاقے کے لوگ حلقے میں زیادہ ہیں،بعض پارٹیاں مذہب کو بھی بنیاد بناتی ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

ملک میں سب سے زیادہ ذات پات کی سیاست امیدوں کے انتخاب اور ٹکٹوں کی تقسیم کے وقت کی جاتی ہے،چونکہ یہ کام بہت خاموشی سے اور منظم طریقے سے کیا جاتا ہے اس لئے کسی بھی سیاسی پارٹی پر کوئی آنچ نہیں آتی اور بہت کم لوگ اس پہلو سے امیدواروں کے انتخاب کو دیکھتے ہیں۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے اس سے کوئی بھی پارٹی محفوظ نہیں ہے۔ اہل امیدواروں کی تلاش تو شاید ہی کوئی پارٹی کرتی ہو۔ بھی ذات پات کی سیاست کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسی لئے امیدواروں کے انتخاب میں تاخیر ہوتی ہے اور کبھی کبھی تنازعہ بھی کھڑا ہوجاتا ہے کیونکہ دوسری ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لیڈران ہنگامہ کرنے لگتے ہیں اور بغاوت پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

بہوجن سماج پارٹی نے ذات پات کی سیاست کے ذریعے ملک کی سیاست کو جورخ دیا ہے آج اس کی چھاپ تقریباً ہر سیاسی پارٹی پر نظر آتی ہے۔ جس طرح الیکشن کمیشن انتخابات کی تیاری ایک سال پہلے سے شروع کردیتا ہے سیاسی پارٹیاں بھی امیدواروں کی تلاش کم ازکم چھ ماہ پہلے سے شروع کردیتی ہیں۔ اس بار لوک سبھا انتخابات کے لئے امیدواروں کا اعلان کئی ماہ پہلے ہی سے ہونے لگا تھا۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف سے انتخابات سے قبل ایک ایسی کمیٹی بنائی جاتی ہے جو طویل عمل سے گزر کر امیدواروں کا انتخاب کرتی ہے۔ یہ کمیٹی امیدواروں کا انتخاب صرف لیڈران کی دعویداری اوران کے حامیوں کی تعداد دیکھ کر نہیں کرتی بلکہ پارٹی کی ریاستی حتیٰ کہ ضلعی وشہری اکائیوں سے رائے دہندگان کے مزاج، ذات اوران میں مقبول لیڈران کی رپورٹیں طلب کی جاتی ہیں پھران کی روشنی میں امیدواروں کے انتخاب کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

چاہے کانگریس ہو یا بی جے پی، سماجوادی پارٹی ہو یا بہوجن سماج پارٹی، جنتادل متحدہ ہو یا لوک جن شکتی پارٹی، اکالی دل ہو یا شیوسینا،این سی پی ہو یا تیلگودیشم وغیرہ سبھی نے ابھی تک جن امیدواروں کا اعلان کیا ہے اور آئندہ کرنے والے ہیں، اگر اس پہلو سے دیکھا جائے کہ انھوں نے امیدواروں کے انتخاب کا کیا طریقہ کار اپنایا تو اس میں ذات پات کو ہی ترجیحی بنیاد حاصل ہوتی ہے۔ ہر پارٹی یہی دیکھتی ہے کہ کس حلقے میں کس ذات اور برادری کے لوگوں کی کتنی آبادی ہے اور رائے دہندگان کا رجحان کیا ہے۔ انتخابی کمیٹی میں سب سے زیادہ ذات پات کے پہلو پر غور کیا جاتا ہے۔اب تو باقاعدہ ذات وبرادری کی طرف سے ٹکٹ کا دعویٰ کیا جاتا ہے اوران کی طرف سے امیدوار بھی دعوے کے ساتھ پارٹی کے سامنے آجاتے ہیں۔اب تو سیاسی پارٹیاں ذات وبرادری کی بنیاد پر انتخابی اتحاد کرنے لگی ہیں۔ اس بار لوک سبھا انتخابات کے لئے اترپردیش میں بی جے پی نے چودھری اجیت سنگھ اور سماجوادی پارٹی نے کلیان سنگھ کے ساتھ جو اتحاد کیا ہے اس میں بھی یہی سوچ کارفرما تھی۔ انتخابی مہم کے دوران بھی ذات پات کی سیاست کرکے بڑے بڑے وعدے کئے جاتے ہیں۔کبھی گوجروں کو ریزرویشن دلانے کی بات کی جاتی ہے تو کبھی اعلیٰ ذاتوں کے پسماندہ لوگوں کو۔

امیدواروں کے انتخاب میں ہر سیاسی پارٹی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ حلقے کی کثیر آبادی والی ذاتیں ناراض نہ ہوں، حکومت کی تشکیل کے بعد وزراء کے انتخاب کے وقت بھی اسی فارمولے پر عمل کیا جاتا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کو اکثریتی فرقے کی ذاتوں کی فکر اتنی رہتی ہے کہ اگر کسی حلقے میں چندرہ فیصد بھی کسی ذات کی آبادی ہوتی ہے تو وہ اس ذات سے تعلق رکھنے والے امیدوار کو ٹکٹ دے دیتی ہے لیکن اگر کسی حلقے میں مسلم آبادی پچیس سے تیس فیصد بھی ہو تب بھی مسلمانوں کا دعویٰ اس حلقے پر مضبوط نہیں ہوتا،بی جے پی تو برائے نام ہی پورے ملک میں ایک دو مسلم امیدوار بناتی ہے، دیگر پارٹیاں بھی کسی حلقے سے مسلم امیدوار اسی وقت بناتی ہیں جب وہاں مسلم آبادی کم ازکم ۳۵ فیصد سے زیادہ ہو۔اس کی وجہ سے بڑی پارٹیوں کے بینر تلے مسلم امیدوار بہت کم کھڑے ہوتے ہیں اور جہاں کھڑے کئے جاتے ہیں تو سبھی پارٹیوں کی طرف سے۔جس کی وجہ سے ووٹ اس قدر تقسیم ہوجاتے ہیں کہ کوئی بھی مسلم امیدوار کامیاب نہیں ہوپاتا۔ایک تو امیدواروں کے انتخاب کے وقت مسلمانوں کونظرانداز کردیا جاتا ہے۔الیکشن کے بعد جب حکومت بنتی ہے تواس میں بھی ذات پات فیکٹر ہی حاوی رہتا ہے۔کم آبادی والی ذاتوں کے تو کئی کئی وزراء بنادیے جاتے ہیں خصوصاً اعلیٰ ذاتوں کے لیکن مسلمانوں کو وہاں مناسب نمائندگی نہیں دی جاتی۔ ملک میں ان کی آبادی کے تناسب کو تو کوئی دیکھتا ہی نہیں ہے۔صرف گنے چنے دو مرکزی وزراء اور دو سے چار تک وزرائے مملکت بنادیے جاتے ہیں۔اس طرح اقلیت کی سیاست صرف ووٹوں کے حصول تک محدود رہتی ہے جبکہ ذات وبرادری کی سیاست امیدواروں کے انتخاب سے لے کر حکومت ووزارتی کونسل کی تشکیل اور حکومت کے فیصلوں تک پراثرانداز ہوتی ہے۔سیاسی پارٹیاں زبانی طور پر ذات پات کی سیاست کیلئے بہوجن سماج پارٹی کو بدنام کرتی ہیں اور عملی طور پر خود بھی اس کے نقش قدم پر چلنے کا ثبوت فراہم کرتی رہتی ہیں۔جب عوام کے نمائندوں کا انتخاب ذات پات کی بنیاد پر ہوگا تو وہ تمام مذاہب اور ذات وبرادریوں کو ساتھ لے کر کس طرح چل سکیں گے۔ ●●

اسلام کے روشن مستقبل کی دستک

اولاً جمود، پھر زوال اور پسماندگی وغلامی کی کئی صدیوں کے بعد عالم اسلام نے کروٹیں لینی شروع کیں۔دشمنوں نے اپنی ساحری کے طرح طرح کرتبوں کے ذریعہ اس کو خواب غفلت میں مبتلا کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ احساس جرم، احساس کمتری، قدامت پرستی ورجعت پسندی کے طعنے دے دے کر نفسیاتی حربوں سے قعرمذلت میں پڑے رہنے پر مجبور کیا۔ جب ان سب حرکتوں اور کوششوں سے بھی کام نہ چلا تو براہ راست ظلم وزیادتی، جبروستم،عقوبت رسانی،قتل عام اور نسل کشی کے ذریعہ دہشت زدہ کرنا شروع کیا۔مسلمانوں کے نیندونشہ کے دورہ سے بیدار ہونے اور چھٹپٹا چھٹپٹا کر اٹھ کھڑے ہونے کی جدوجہد کرنے پر اسلام ومسلم طاقتوں نے اپنے اپنے طریقہ سے تشدد ودہشت گردی کے طوفان برپا کئے کہ جیسے بھی ہو اس شیر کو نشہ اور خمار سے آزاد نہ ہونے دیا جائے۔اس کو بیدار اور ہوشمندی کی ہوا نہ لگنے دی جائے۔کبھی فرانس نے یلغار کی تو کبھی برطانیہ چڑھ دوڑا،کبھی روس وچین کے کمیونزم نے طوفان برپا کیا تو کبھی امریکہ اور یورپی یونین نے صلیبی غلبہ،اقتدار وبالادستی مسلط کرنے کے لئے اسلام اور مسلمانوں کو کچلنے کے ساتھ ساتھ عیسائیت کو بھی پامال کرڈالا۔کبھی کمیونزم،سوشلزم کیپٹلزم یا سرمایہ داری کے سامراج نے باہم متحد ہوکر صیہونیت کا خنجر بلند کردیا وسیع وعریض دنیا کے ایک گوشہ میں رہنے والے سرپھرے بھیڑوں جیسے ذات پات،رنگ نسل،دھرم علاقہ تہذیب وزبان اور آب وہوا کسی بھی لحاظ سے کوئی بنیاد اتحاد اور نقطہ مشترک نہ رکھنے والے عناصر بھی ایک غیر ملکی لفظ کا سہارا لے کر اس پر فخر کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم کے متحد ہوگئے یہاں تک کہ خود کو اسلام دشمن طاقتوں کے طوفان میں لہروں کے بل بے راہ وبے سمت بہنے والے تنکے طرح شامل کرلیا۔ یہ اس دنیا کے چند صدی پر مشتمل ماضی کا نقشہ ہے جب پوری دنیا میں ایک بھی ملک خود کو آزاد وخودمختار مسلم ملک کہنے کی پوزیشن میں نہیں پایا جاتا تھا۔ اسلام، مسلمان اور عالم اسلام سب مغلوب تھے اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

پھر حالات دھیرے دھیرے پلٹا کھانے لگے۔مسلمان خواب غفلت سے پیدا ہونے لگے۔خمار سے چھٹکارا پانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔سستی وکاہلی، جہالت وبے عملی، مایوسی وقنوطیت،پستی پسماندگی و درماندگی سے نکلنے کے لئے تڑپنے لگے۔گرگر کر بھی اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ بار بار گرائے جاتے رہے۔ مار مار کر زخموں سے چور اور اوندھے منہ زمین پر گرنے پڑے رہنے پر مجبور کئے جانے لگے۔لیکن ان کا نشہ وخمار اور مدہوشی دور ہوتے جارہے تھے ان کے دشمن انہیں اٹھنے اور کھڑے ہونے سے روکنے کے لئے جارحیت، فسطائیت، سامراج، تشدد اور دہشت گردی سب کچھ استعمال کررہے ہیں لیکن اب ان کا نشہ دور ہورہا ہے وہ ہاتھ پاؤں ماررہے ہیں چھٹپٹا رہے ہیں اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کررہے ہیں انہیں زندگی، آزادی، خودداری وخود اعتمادی کی روشنی نظر آرہی ہے وہ خواب غفلت میں مبتلا ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں غلامی کی زنجیروں، پستی وپسماندگی اور درماندگی کے گڑھوں میں پڑے رہنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ مخالفین ومعاندین جبروستم اور ظلم وزیادتی، جارحیت اور تشدد کا سہارا لئے جارہے ہیں، بحالت مجبوری ضرورت پڑنے پر وہ بھی جارحیت وتشدد کے مقابلہ میں سینہ تان کر کھڑے ہوجاتے ہیں،ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں کہیں کہیں گولیوں کا جواب گالیوں سے اور بموں کا جواب اینٹ پتھروں سے بھی دینے لگتے ہیں۔

آج عالم اسلام میں بیداری کی لہر آرہی ہے 57 ملک خود کو آزاد مسلم ملک قرار دے کر اوراپنی ایک تنظیم اوآئی سی بنا کر اس کے ممبر بن چکے ہیں حکمراں خود آزاد وخودمختار نہیں ہیں وہ نیم غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں اپنے آقاؤں کو خوش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں وہ پوری طرح اسلام کے زیرسایہ نہیں آرہے ہیں۔نیم دروں ونیم بروں خود اعتمادی وخودداری سے محروم ہیں اپنے بل پر اقتدار کی کرسیوں پر قائم رہنے کی اہلیت سے محروم ہیں۔اقتدار کے گلیاروں میں برقرار رہنے کے لئے ظالم وجابر معاندین ومخالفین اسلام کی غلامی کا طوق زیب گلو کئے ہوئے ہیں لیکن خود وہ آقا شکست وزوال سے دوچار ہورہے ہیں بے بسی کے ساتھ پناہ گاہیں ڈھونڈرہے ہیں۔

اسلام کے دشمن پسپا ہورہے ہیں فرانس اپنی ہیبت کھوچکا۔ برطانیہ اپنے بل میں سمٹ چکا۔ جو روس سرخ انقلاب کے سہارے دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا اور پڑوسی ممالک کو غلام بنا کر سوویت یونین بن چکا تھا پھر سے روس کی سرحدوں میں پڑا بے بسی کے ساتھ اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔ اس کے سوشلزم وکمیونزم سب ناپید ہوگئے۔امریکہ خود کو دنیا کی واحد سپرپاور قرار دینے لگا تھا۔گلوبلائزیشن کے نعرے کے ساتھ اپنے سامراج واستعمار کا ڈنکا بجانے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ بے قابو وحشی جنگلی درندے کی طرح دندنانے لگا تھا۔آج وہ بھی جان چھڑا کر دم دبا کر ساری دنیا سے دور اپنی ماند تک پہنچنے اور سر چھپا کر پڑے رہنے کی راہیں تلاش کررہا ہے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ۵۰ اسٹیٹس پر مشتمل ریاستہائے متحدہ امریکہ کا شیرازہ کب بکھر جائے۔تب کل تک کی جگہ ست یگ کے آنے کا خواب دیکھنے والے دین اسلام کی حقانیت کے آفتاب کی تابناکی کے سامنے سربسجود ہونے پر مجبور ہوجائیں کہ دنیا کا مستقبل اسلام کا روشن پیغام لارہا ہے۔ ●●

افغانستان میں اعتراف شکست

مظفر اعجاز

بالآخر وہ بات امریکی صدر کی زبان پر آگئی جو افغانستان اور پاکستان میں ہرایک کی زبان پر تھی۔ امریکی صدر بارک حسین اوبامہ نے نیویارک ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ افغانستان میں جنگ جیت نہیں رہا ہے۔ افغانستان کے حالات تو عراق سے بھی زیادہ پیچیدہ ہیں۔ افغان حکومت ناکام ہوچکی ہے۔ہمیں مصالحتی عمل کے تحت معتدل طالبان سے مذاکرات کرنے ہوں گے۔ بارک اوباما نے شکایت کی ہے کہ طالبان کے حملوں میں تیزی آگئی ہے اور جس طرح سے وہ حملہ آور ہوتے ہیں ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔انھوں نے اپنے انٹرویو میں یہ بھی کہا کہ افغان پالیسی کا ازسرنو جائزہ لیا جارہا ہے۔ افغانستان میں امریکہ کے مسلط کردہ صدر حامد کرزئی کو طالبان سے مذاکرات کے امریکی فیصلے پر خوشی ہوئی ہے کیونکہ وہ خود بے چین ہیں۔ بارک اوباما نے عراق کو ماڈل بنایا ہے اوران کا خیال ہے کہ عراق میں اعتدال پسندوں سے مذاکرات اوران کو شامل کرنے سے تشدد میں کمی آئی ہے۔ غالباً امریکی فوجی براہ راست نشانہ نہیں بن رہے اس کو وہ تشدد میں کمی قرار دے رہے ہیں ورنہ تشدد کی لہر تو اسی طرح جاری ہے۔ بہرحال اوبامہ سمجھتے ہیں کہ اعتدال پسندوں کو پاکستان اور افغانستان میں مذاکرات میں شامل کرکے امن قائم کیا جاسکتا ہے۔یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب پاکستان میں حکومت یہ کام کرتی ہے تو امریکہ کو پریشانی ہوتی ہے۔ مذاکرات پر تشویش ظاہر کی جاتی ہے۔یہ کہا جاتا ہے کہ ایسے مذاکرات اور معاہدوں سے طالبان کو قدم جمانے کا موقع ملے گا۔لیکن اب امریکی صدر خود اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں۔انھوں نے تو بتایا ہے کہ ان کے خصوصی نمائندے رچرڈ ہالبروک افغان پالیسی کا ازسرنو جائزہ لے رہے ہیں اوران طریقوں پر غور کررہے ہیں جنہیں بروئے کار لاکر امریکہ عراق میں امن بحال کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ہمیں نہیں پتہ کہ بارک اوباما عراق میں امن بحال کرنا کسے کہتے ہیں۔ وہاں تو ہر دوسرے روز خودکش یا کار بم دھماکے ہورہے ہیں۔لوگ مررہے ہیں۔البتہ اب امریکی کم مررہے ہیں اور افغانستان میں امریکی مرنے کی تعداد بڑھ گئی ہے۔

لہٰذا امریکی انتظامیہ امریکی جانی نقصان کم کرنے کے لئے ”اعتدال پسندوں“ کو آگے لاکر ”انتہاپسندوں“ سے بھڑوادے گی اس طرح جانی نقصان انتہاپسند یا اعتدال پسند قوتوں ہی کا ہوگا۔ یہی پالیسی افغانستان میں روبہ عمل لانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن جس طرح امریکیوں کو افغانستان پیچیدہ لگ رہا ہے اسی طرح روسیوں کو بھی لگا تھا۔لیکن وقت گزرنے کے بعد انہیں پتہ چلا کہ افغانستان میں دراصل کیا ہورہا تھا۔ یہی بات برطانوی فوج کو بھی بعد میں پتہ چلی جب ان کا ایک فوجی ڈاکٹر اس لئے چھوڑ دیا گیا تھا کہ جاکر بتاسکے کہ افغانستان کتنا پیچیدہ ہے۔ لیکن امریکیوں کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ کوئی اقدام کرنے سے قبل تاریخ جغرافیہ،ثقافت لوگوں کے مزاج اورروایات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ امریکی انتظامیہ کو کسی ادارے نے یا کچھ لوگوں نے غلط اطلاعات دی ہیں یا غلط تجزیے پیش کئے ہیں جس کی وجہ سے امریکی اس غلط فہمی میں ہیں کہ ساری دنیا ان کی دشمن ہے۔انہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ۸۰ کے عشرے میں دنیا بھر کیلئے ”محبوب“ امریکہ ۲۰۰۱ء میں کیونکر دنیا کے لئے باعث نفرت بن گیا اور کون سے عوامل ہیں جنھوں نے اس کے خلاف نفرت میں اضافہ کردیا ہے۔

اب وہ کیوں حالات اور تاریخ کا مطالعہ کئے بغیر افغانستان میں جاگھسے۔ان کو پتہ تو ہونا چاہئے کہ افغانستان میں کبھی غیرملکی حملہ آور یا حکمراں مستقل نہیں رہ سکے، جلد یا بدیر رخصت ہونا پڑتا ہے۔ان پر منحصر ہے کہ عزت سے جائیں یا ذلت کے ساتھ۔ جہاں تک بات افغانوں کے حملے کے طریقہ کار کی ہے۔وہ بھی اس وقت پتہ چلتا ہے جب آپ زمین پر آئیں۔ جب تک امریکی افواج عراق میں زمین پر نہیں اتری تھیں انہیں پتہ نہیں چلتا تھا کہ عراق میں کیا طریقہ ہوگا۔ان کے خلاف کارروائیوں کا اوران کو نیچے آکر پتہ چلا کہ جنگ کسے کہتے ہیں بلکہ زمینی حقائق اور زمینی جنگ کیا ہوتی ہے۔ افغانستان میں انگریز فوج کو پتہ چل چکا تھا کہ افغان کیسے حملہ آور ہوتے ہیں۔ روسی فوج کو پتہ تھا کہ افغان حملہ کیسے کرتے ہیں،لیکن چلیں بارک اوبامہ کو پتہ چل گیا ہے کہ افغانستان کی صورتحال پیچیدہ ہے اور حملہ آور جس طرح حملے کرتے ہیں ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ امریکی صدور کو تو دنیا میں ہونے والی ہر جنگ کی بریفنگ ہوتی ہے۔ اب ان کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان کی افواج پر کس قسم کے حملے ہوتے ہیں۔ اب جبکہ وہ معتدل طالبان سے مذاکرات پر راضی ہوگئے ہیں توانہیں پاکستان میں سوات اور دیگر علاقوں میں امن مذاکرات اور معاہدوں پر کیوں اعتراض ہے۔

امریکی صدر کے طرز گفتگو اور انداز سے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ خوفزدہ سے ہیں اوران کو کوئی راستہ سوجھ نہیں رہا ہے۔ان حالات پر ایران نے بہت زبردست تبصرہ کیا ہے کہ اگر امریکہ نے درخواست کی تو مدد کے لئے ہرممکن اقدام کریں گے۔ امریکی صدر کے اشاروں کے بعد افغان صدر حامد کرزئی کو کچھ اطمینان اور کچھ پریشانی ہوئی ہے۔ اطمینان یہ ہوا کہ اگر ”معتدل“ طالبان سے مذاکرات ہوئے تو اس کو حکومت بچانے اور کچھ دن مزید اقتدار میں رہنے کا موقع مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ معتدل طالبان تو وہی ہوں گے جو حامد کرزئی کو اقتدار میں رہنے دیں لیکن ایک پریشانی کی بات یہ ہے کہ شاید امریکہ افغانستان میں کوئی اور پالیسی اختیار کرنے والا ہے اور پہلے مرحلے میں معتدل طالبان کے ذریعے اپنے فوجیوں کو تحفظ دیا جائے اور بعد میں جب فوجی نکل جائیں تو افغانستان ان معتدل طالبان کے حوالے کردیا جائے۔پھر کرزئی کا کیا ہوگا یہ بات حامد کرزئی پہلے سمجھ گئے ہیں، اس لئے انھوں نے البتہ الیکشن کرانے کا فیصلہ قبول کرلیا ہے اور انتخابات کے انعقاد تک صدارت پر فائز رہنے کی بات کی ہے۔ افغانستان میں کیا ہورہا ہے وہاں کیا ہونے والا ہے۔امریکہ، چین اور خطے کے دوسرے ملکوں کے ذمہ داران اور سیاسی پارٹیاں اس پہلو سے غور کررہی ہیں۔ امریکہ کی نئی حکومت ۳/اپریل تک افغانستان کے بارے میں نئی پالیسی لانے والی ہے۔اس کے بعد کیا ہوگا یہ کرزئی کو سمجھ آچکی ہے۔اوباما بھی جان چکے ہیں اور پرانی پالیسی سے فائدہ اٹھانے والے بھی جان چکے ہیں کہ اب امریکہ کے پاؤں اکھڑ چکے ہیں۔امریکہ تو اپنے فوجیوں کو بچانے کی پالیسی لائے گا۔ان کے کام کی خاطر فرنٹ لائن اتحادی بننے والوں کا وہی انجام ہوگا جو پہلے ایسا کرنے والوں کا ہوتا رہا ہے۔

امریکی صدر بارک اوباما کی جانب سے افغانستان میں شکست کے اعتراف پر ہمیں ویتنام یاد آگیا۔ ویتنام کے بارے میں امریکی انتظامیہ جو کچھ بھی کہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ وہاں سے امریکی فوجی بھاگے تھے۔ ہیلی کاپٹروں میں لٹک لٹک کر بھاگے تھے۔امریکہ تو یہ بات جانتا ہے اسی لئے وہ آہستہ آہستہ معتدل لوگ ڈھونڈ رہا ہے۔عراق میں معتدل لوگ مل چکے اور اب افغانستان میں معتدل لوگوں کی تلاش ہے۔دیکھیں کون سے معتدل لوگ امریکہ کو ملتے ہیں۔ ●●

فکر معاصر

مکہ مسجد دھماکہ کیس

ملک میں تحقیقاتی ایجنسیاں اس لئے قائم کی گئی ہیں کہ عوام کو درست جانکاری حاصل ہوسکے۔ کوئی شہری بے قصور ستایا نہ جائے، کسی جرم اور کسی واقعے کی غیر جانبدار جانچ کے ذریعے اصل خاطیوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر عوام الناس کو انصاف پر مبنی پرسکون معاشرہ فراہم کیا جاسکے۔ ان تحقیقاتی ایجنسیوں پر سرکاری خزانے سے اربوں روپے صرف کئے جاتے ہیں۔ سی بی آئی بھی ہمارے ملک کی معتبر خفیہ ایجنسی ہے۔ اسے احتساب اور عوامی تنقید سے بالاتر رکھا جاتا ہے لیکن آج کل کے حکمراں طبقہ اور اس کے کارندوں نے سی بی آئی کے حوالے سے تحقیقاتی اداروں کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرکے ان کی اہمیت گھٹادی ہے۔ ملک میں داخلی سلامتی اور خارجی خطرات کی نشاندہی کرنے والے ادارے اپنے فرائض ادا کررہے ہیں۔ اس کے باوجود ملک میں دہشت گرد حملے، دھماکے ہوتے ہیں، بم پھٹتے ہیں۔ فرقہ وارانہ فضا مکدر ہوتی ہے اور دن دہاڑے کارروائیاں ہوتی ہیں۔ لیکن کوئی خاطی پکڑا نہیں جاتا۔ حیدرآباد کے مکہ مسجد بم دھماکہ، لمبنی پارک اور گوکل چاٹ بم دھماکہ کی تحقیقات کا معاملہ بھی بہت دنوں سے جاری تھا۔ گزشتہ روز مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم نے مکہ مسجد بم دھماکہ کی تحقیقات یا اس کیس کے تعلق سے انکشاف کرکے انصاف کے اقدار کی دھجیاں اڑادی ہیں۔ ہر معاملے میں مسلمانوں کو گھسیٹنے والی حکومت اور اس کے قانونی رکھوالوں نے مکہ مسجد بم دھماکہ میں بھی مسلمانوں کو ملوث کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن جب مالیگاؤں بم دھماکہ میں گرفتار سادھوی پرگیا سنگھ ٹھاکر، فوجی عہدیدار پروہت سے پوچھ گچھ کے دوران مکہ مسجد بم دھماکہ میں ملوث ہونے کا اقرار کرنے کے بعد تحقیقاتی اداروں، وزارت داخلہ اور اس کے تحت کام کرنے والوں کا طرز کارروائی ہی تبدیل ہوگیا اور مکہ مسجد بم دھماکہ میں مسلم نوجوانوں کو ملوث کرکے انہیں سخت اذیتیں دیئے جانے، مسلم طبقہ کو بدنام کرنے کی سازشوں کے انکشاف کے بعد اب مرکزی وزیر داخلہ اس کیس کے ختم ہوجانے کا اعلان کررہے ہیں۔ جب کیس مسلمانوں کے اردگرد گھوم رہا تھا تو حکومت اور اس کے تحت کام کرنے والے ادارے، عہدیدار چوکس تھے، جیسے ہی یہ کیس ہندو دہشت گردوں سے مربوط ہوا تحقیقات کا عمل بھی تبدیل ہوگیا۔ مسلمانوں اور ان کے نوجوان بچوں کو خوفزدہ کرنے، ہندو دہشت گردوں کی حفاظت کرنے اور سنگھ پریوار کی خدمت میں مصروف سرکاری عملہ نے مکہ مسجد کیس کی تحقیقات کے انکشاف میں کرنل پرساد پروہت، میجر (ریٹائرڈ) رمیش اپادھیائے اور سادھوی کے نام سامنے آئے تو انداز ہی تبدیل ہوگیا۔ فوج کے برسرخدمت لفٹننٹ کرنل و میجر کے گرفتار ہونے کے بعد مرکزی وزارت اور اس کے عہدیداروں نے ملک میں ہوئے کئی بم دھماکہ کیسوں کا پتہ چلایا، لیکن ان کی تحقیقات کو منظر عام پر نہیں لایا گیا کیونکہ یہ دھماکے سنگھ پریوار سے وابستہ لوگوں کی خفیہ کارروائیاں تھیں۔ مکہ مسجد بم دھماکہ کی بھی انہی لوگوں کی کارستانی ہونے کا انکشاف ہوا۔ جب اصل چہرے بے نقاب ہوئے تو حکومت کا رویہ بھی جانبدارانہ طریقے سے تبدیل ہوگیا۔ پولیس جس طرح ہر معاملے میں مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے میں پھرتی دکھاتی ہے، ہندو دہشت گردوں کے چہرے بے نقاب ہونے کے بعد اپنا فرض نبھانے میں کوتاہی کی۔ مرکزی وزیر داخلہ نے بھی ہندوستان کو مشکلات میں ڈھکیلنے والے عناصر کے خلاف کارروائی کرنے کو اپنا فریضہ نہیں سمجھا اور مکہ مسجد دھماکہ کو ختم کردینے یا سرد پڑجانے کا اعلان کیا۔ ان کا یہ بیان حکومت کی نااہلیت اور جانبدارانہ رویہ کی جانب نشاندہی کرتا ہے۔ ملک میں پولیس نے مسلمانوں کے تعلق سے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے غلط فضا قائم ہوئی ہے۔ اس بہانے سے دوسری طاقتیں اپنا کام انجام دے رہی ہیں۔ مسلمان خاموش ہیں، اپنی بے گناہی کی فریاد بھی نہیں کرسکتے۔ کیونکہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے سرکاری مشنری کو جھوٹ کے زہر سے آلودہ کردیا ہے۔

(سیاست، حیدرآباد)

ملک کا سیاسی منظرنامہ اور مسلمانوں کا فیصلہ

ڈاکٹر منظور عالم

پارلیمانی انتخابات کا اعلان ہوچکا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہماری بصیرت اور اجتماعی شعور کی ایک اور آزمائش شروع ہوگئی ہے۔ ہم مسلمانوں کے مطالبات اور مسائل کی چیخ و پکار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اتحاد کی اپیلیں سن رہے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عدم اتحاد کا رونا رونے والوں میں بیشتر وہ ہیں جو اتحاد کی کسی دعوت پر لبیک کہنا بھی اپنی شان کے خلاف اور مقاصد و مفادات کے منافی سمجھتے ہیں۔ ایسے حالات میں درپیش آزمائش میں ہم کس طرح کامیاب ہوں گے یہ ایک پریشان کن سوال ہے۔

مسلمان اتحاد کے نام پر ہی انتشار کا شکار ہیں۔ الیکشن سے پہلے ہی بے شمار تنظیمیں اور مورچے وجود میں آرہے ہیں۔ ہر تنظیم اور ہر مورچہ صرف خود کو ہی ملت کا مخلص اور ملت کے مسائل کا مداوا سمجھ رہا ہے۔ یہ خودفریبی کسی کو بھی اس بات کے لئے آمادہ نہیں ہونے دیتی کہ وہ دوسروں کے ساتھ بیٹھے اور اپنے نجی تحفظات سے بالاتر ہوکر ملت کے مجموعی مفاد میں کچھ کرنے کو تیار ہو۔ اس صورتحال کو ہماری قومی سیاسی پارٹیاں بڑی اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ وہ نہ صرف اس صورتحال کو اپنے لئے آئیڈیل سمجھتی ہیں بلکہ اسے بنائے رکھنے اور اسے مزید بڑھاوا دینے کیلئے اپنے اپنے طریقے سے کام کرتی رہتی ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کی پالیسی مسلمانوں کے سلسلے میں یہ ہے کہ انہیں کوئی ایک اکائی نہ مانا جائے۔ ان کی کوئی لیڈرشپ تسلیم نہ کی جائے اور ان کے مطالبات اور ضرورتوں پر کسی سے بات نہ کی جائے۔ سیاسی پارٹیوں کی اپنی صفوں میں بھی ایسے لوگ نہ ہوں جو زمینی سطح پر مسلمانوں سے جڑے ہوئے ہوں اور وہ مسلمانوں کے ترجمان یا نمائندے بن کر ان پر دباؤ بنائیں یا مسلمانوں کے لئے حصہ داری کی مانگ پر زور دیں۔

ملک کا سیکولر جمہوری کردار یہاں کے ہر فرقے اور طبقے کے لئے مفید ہے، لیکن یہ سب سے زیادہ عزیز اقلیتوں اور ان میں بھی خاص طور سے مسلمانوں کو ہے۔ اس لئے مسلمان ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ سیکولر سیاست کو تقویت فراہم کی جائے اور سیکولر سیاسی پارٹیوں کو ووٹ دے کر ملک میں سیاسی استحکام بنائے رکھا جائے۔ لیکن سیکولر سیاسی پارٹیاں اپنا اعتبار کھوتی جارہی ہیں اور مسلمانوں کو اس بات سے بڑی مایوسی ہے کہ سیکولر سیاسی پارٹیوں نے ان کے اعتماد کو نقصان پہنچایا ہے اور اپنے لئے ان کے ووٹ کو ان کی مجبوری مان کر ان کا استحصال کرتی رہی ہیں۔ یہ پارٹیاں اپنے منافقانہ طریقہ کار کے ذریعے مسلمانوں کو ملک کا سب سے زیادہ پسماندہ طبقہ بنانے کی ذمہ دار ہیں۔ مسلمانوں سے جڑے جذباتی معاملوں میں یا ان کی بدحالی کی رپورٹوں پر یہ گھڑیالی آنسو بہاتی ہیں لیکن کوئی سنجیدگی، نہ تو مسلمانوں کی فلاح کے سلسلے میں اور نہ خود اپنی سیاسی ذمہ داریوں کے سلسلے میں ان کے اندر پائی جاتی ہے۔

حکومت نے سچر کمیٹی قائم کی تھی تو مسلمانوں نے یہ سمجھا تھا کہ حکومت شاید اعداد وشمار پر مبنی حقائق کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن سچر کمیٹی کی رپورٹ مسلمانوں کے لئے فلاحی اقدامات کی بنیاد بننے کے بجائے ان کے لئے طعنہ اور رسوائی کی ایک دستاویز بن گئی ہے۔ اب تو ایسا لگنے لگا ہے کہ اس رپورٹ کے ذریعے حکومت میں موجود کچھ لوگوں نے مسلمانوں کے اندر مزید احساس کمتری پیدا کرنے اور دیگر طبقات کی نظر میں انہیں حقیر بنانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر سیتا رام یچوری نے جب یہ کہا کہ سچر کمیٹی کے ذریعے حکومت نے مسلمانوں کو رسوا کرنے کا کام کیا ہے تو انھوں نے گویا مسلمانوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ یہ ان کی سیاسی دست درازی ہے اور انھوں نے نبض کو پہچان کر اس میں ٹیس پیدا کرنے کی سیاسی کوشش کی ہے۔ مگر خود کمیونسٹ پارٹیوں کا اپنا رول اور رویہ کیا ہے؟ کیا وہ مسلمانوں کو رسوا نہیں کرتی رہی ہیں۔ کمیونسٹ پارٹیوں کے پاس اپنی صفائی دینے کا کوئی بہانہ ہی نہیں ہے۔ ان پارٹیوں کی مستحکم حکومت ملک کے ایک اہم صوبہ مغربی بنگال میں تین دہائیوں سے چلی آرہی ہے۔

یہ وہ ریاست ہے جہاں مسلمانوں کا تناسب تقریبا پچیس فیصد ہے۔ لیکن افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ اس ریاست میں مسلمانوں کی حالت سب سے زیادہ بری ہے۔ لہٰذا اس صورت حال میں مسلمان بڑی مایوسی کے ساتھ یہ سوچتے ہیں کہ آخر وہ کسے ووٹ دیں اور کس پر اعتماد کریں۔ اس مایوسی اور اعتماد شکنی نے اب مسلمانوں کے اندر یہ سوچ پوری طرح بٹھادی ہے کہ ان کی اپنی سیاسی پارٹی کے بغیر ان کے سیاسی، معاشی، تعلیمی اور سماجی مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ انہیں ملک کے سیاسی وسائل میں کوئی شریک کرنے کو تیار نہیں ہے، ان کا واجب حصہ انہیں دینے کو کوئی تیار نہیں ہے۔ اس لئے بجائے مانگنے کے اور مطالبہ کرنے کے، اسے بزور خود حاصل کرنے کے اقدامات کئے جائیں۔ مسلمانوں کے اس جذبے کو اب کوئی برا نام دے کر دبا نہیں سکتا اور نہ یہ فی الواقع کوئی معیوب بات ہے۔ بلکہ یہ ہندستانی جمہوری سیاست کی اصل کو پہچانا ہے۔ اور اپنی غلطیوں کی گویا تلافی کرنا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمان اس پوزیشن میں آنے کے لئے عملی طور پر تیار ہوگئے ہیں یا نہیں۔ جب اس سوال پر غور کرتے ہیں تو افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان اپنی سیاسی طاقت کو مجتمع کرنے اور نتیجہ خیز بنانے کی پوزیشن میں نظر نہیں آرہے ہیں۔ کیوں کہ سیاسی طاقت کو مجتمع کرنے کے لئے مرکزیت ہونا ضروری ہے اور ہمارے یہاں مرکزیت پیدا نہیں ہوپارہی ہے اور نہ ہونے دی جارہی ہے۔ کوئی کسی دوسرے کو قائد بنانے کو تیار نہیں ہے۔ ہر فرد اور ہر گروپ یہ چاہتا ہے کہ اسے قائد تسلیم کرلیا جائے اور باقی سب اس کے پیچھے چلیں۔ اس طرح تو کام نہیں بننے والا۔ کچھ لوگوں کی ظاہری اور پوشیدہ وابستگیاں بھی انہیں ساتھ لینے یا ان کے ساتھ چلنے سے روکنے کا ایک سبب بنتی ہیں۔ میر جعفر اور میر صادق کو گزرے زمانہ ہوگیا۔ ان کے نام ہمارے لئے اب صرف ضرب المثل ہیں۔ لیکن میر جعفری اور میر صادقی تو پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم ہیں۔ لوگ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ملت کے نام پر ملت مخالف معاملات کررہے ہیں اور اس طرح کے حالات پیدا کررہے ہیں، جس کا فائدہ ان طاقتوں کو ہو جو ملک کا سیکولر اور جمہوری کردار ختم کرکے مسلمانوں کے لئے اس ملک کو ایک جیل بنادینا چاہتی ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کو اپنی سیاسی طاقت بنانے کے لئے طویل مدتی منصوبہ بندی پر کام کرنا ہوگا اور ایک جامع حکمت عملی تیار کرنی ہوگی۔ خدا کرے وہ وقت جلد آجائے جب نہ صرف مسلمان، بلکہ ملک کے دیگر پسماندہ اور محروم طبقات کسی مسلم قیادت کو اس پوزیشن میں محسوس کریں کہ اس پر بغیر کسی اندیشے کے اعتماد کیا جاسکے۔ لیکن جب تک یہ نہیں ہوگا، تب تک ہم کیا کریں؟ ہمیں انتخاب کا سامنا کرنا ہے۔ ہمیں ووٹ دینا ہے۔ ہمیں حکومت بنانے یا اسے گرانے میں اپنا رول ادا کرنا ہے۔ تو ہم کیا کریں۔ اس کا سیدھا سا جواب فی الحال یہی ہے کہ مسلمان مقامی سطح پر کسی بہتر پارٹی کے، کسی بہتر امیدوار کو بہتر امکانات کی بنیاد پر منتخب کریں۔ یعنی ٹیکٹیکل ووٹنگ کے ذریعے فاشسٹ طاقتوں کے امیدواروں کو شکست دیں اور مرکز میں سیکولر حکومت کے قیام کو یقینی بنائیں۔

(مضمون نگار آل انڈیا ملی کونسل کے جنرل سکریٹری ہیں)

اسرائیل کے تحفظ کیلئے فلسطینیوں کے حقوق کی پامالی کیوں؟

عارف عزیز، بھوپال

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایسا ملک جو چند یہودیوں کے ذہنوں اور ان کی مذہبی کتب تک محدود تھا اسرائیل کی شکل میں ساٹھ برس سے دنیا کی ایک زندہ حقیقت بنا ہوا ہے، جب کہ فلسطینی جو ہزار برسوں سے کرۂ ارض پر موجود تھے، چھ دہائیوں سے اس کے خواہاں اس ملک کا وجود منوانے کے لئے اسی سرزمین پر جدوجہد میں مصروف ہیں، جہاں آج اسرائیل قائم ہے۔

یہ ملک برطانیہ کے سیاست داں بالفور کے منصوبے کے تحت نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک قرارداد کی منظوری سے قائم ہوا تھا۔ جس میں واضح طور پر اسرائیلی ریاست کے حدود کا تعین تھا اور اس کے مطابق اس نوزائیدہ ملک کا مجموعی رقبہ چودہ ہزار کلو میٹر سے زیادہ نہ تھا لیکن اپنے سرپرستوں کی شہ پر یہودیوں نے اس طرح کی کسی بھی حد بندی سے انکار کردیا اور وقت کے ساتھ اس ملک کی سرحدیں بڑھتے بڑھتے چوہتر ہزار کلو میٹر تک جو منظور شدہ رقبہ کا پانچ گنا ہے پھیل گئیں۔ دوسری طرف اقوام متحدہ کی اسی قرارداد کے مطابق جس فلسطینی ریاست کا وجود عمل میں آنا چاہئے تھا ۴۸ برس کے طویل انتظار کے بعد بھی یہ کام نہ ہوا، کیونکہ عالمی صہیونی تنظیم نے مغربی طاقتوں کی حمایت کے بل بوتے پر اس میں روڑے اٹکانا شروع کردیے، اسی طرح لاکھوں فلسطینیوں کو مظالم کا شکار بنا کر ان کے آبائی وطن سے پیچھے ڈھکیل دیا گیا اور جو وہاں باقی بچے اسرائیل کے شدید مظالم سے نبرد آزما ہوتے رہے ہیں۔

امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی ملکوں کی طرف سے اسرائیل کی غیر معمولی مدد اس لئے کی جارہی ہے کہ عربوں کے سر پر صہیونیت کی یہ تلوار لٹکی رہے اور آس پاس کے عرب ممالک کبھی سر نہ اٹھا سکیں، اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے آج تک اسرائیل کو ہر جائز وناجائز امداد فراہم کی جاتی رہی اور اس کی ہر جارحیت کو شیر مادر سمجھ کر خاموشی سے پی لیا گیا، اسی ناانصافی بلکہ ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں اسرائیلی سرحدوں کا آج تک بین الاقوامی طور پر تعین نہ ہوسکا۔ اس کے پہلے وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان کا تو کہنا تھا کہ جہاں جہاں اسرائیل کی فوجیں موجود ہیں وہ سب کے علاقے ہیں بعد میں بھی اسرائیل کا یہی موقف رہا کہ مشرقی یروشلم، غزہ کی پٹی اور جولان کی پہاڑیاں اس کی سرحدوں میں شامل ہیں جنہیں کوئی نہیں چھین سکتا۔ حالانکہ ان تمام علاقوں پر اسرائیل نے 1947ء میں قبضہ کیا تھا اور اسی سال اقوام متحدہ نے اپنی قرارداد 242 کے ذریعہ یہ تاکید کردی تھی کہ جنگ میں ہتھیار علاقے اسرائیل واپس کردے اور اس کے بدلے میں عربوں کی طرف سے اس کو محفوظ و منظور سرحدوں کی گارنٹی دی جائے۔ یہ قرارداد پہلے اسرائیل کی طرح فلسطینی عربوں کو بھی قبول نہ تھی کیونکہ اس کے ماننے کے نتیجے میں فلسطین کو پہلے اسرائیل کا وجود تسلیم پڑتا جو انہیں منظور نہ تھا لیکن اپنے وطن میں اسرائیل کے بدترین مظالم کے بعد اردن میں بھی جن فلسطینیوں کو پناہ نہ ملی اور جو خاک وخون کا سمندر پار کرکے لبنان میں پناہ گزیں ہوئے تو وہاں سے بھی شام نے انہیں بھاگنے پر مجبور کردیا۔ اپنے اور پرایوں کی دوستی ودشمنی کا مزہ چکھ کر بے خانما بردار فلسطینیوں کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ مذکورہ قرارداد کو تسلیم کرلینا ہی ان کے مسائل کا حل ہے۔ اس واقعہ کو طویل عرصہ گزر چکا ہے فلسطین کی مجوزہ ریاست کے نام سے غزہ پٹی اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کا کچھ حصہ یاسر عرفات کی عبوری حکومت کے سپرد کیا گیا لیکن نہ تو بیت المقدس فلسطین کے حوالے کرنے کے لئے اسرائیل تیار ہے اور نہ اُن مسائل کو سلجھانا چاہتا ہے جو نئی آزاد فلسطینی ریاست کی راہ میں کوہ گراں بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس عرصہ میں امریکہ کے زیر نگرانی فلسطین محاذ آزادی اور اسرائیل کی مختلف حکومتوں کے درمیان گفتگو کے کئی دور چل چکے ہیں مگر نہ شام کے ساتھ جولان کی پہاڑیوں سے اسرائیلی افواج کی واپسی ہوسکی ہے اور نہ ہی غرب اردن سے ہٹنے کے وعدہ پر اسرائیل نے اب تک عمل کیا ہے حالانکہ اس کیلئے مقررہ مدت سے پانچ سال زیادہ ہوچکے ہیں۔ اس عرصہ میں سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ اسرائیل اپنی اعلان شدہ پالیسی یعنی امن وامان اور محفوظ سرحدوں کی گارنٹی کے باوجود 1967ء کی سرحد پر واپسی کے لئے آمادہ نہیں اور بیت المقدس پر اپنے دارالحکومت کی صورت میں قبضہ برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ حالانکہ پی ایل او کی یہ نہایت مناسب ومعقول تجویز تھی کہ بیت المقدس کو کھلا شہر قرار دیدیا جائے اور اسرائیل بھی وہاں سے اپنا دارالحکومت کہیں اور لے جائے۔

مرحوم یاسر عرفات مشرقی بیت المقدس کو فلسطینی ریاست کی راجدھانی بنانا چاہتے تھے جہاں سے مسجد اقصیٰ کے گنبد صاف نظر آتے ہیں مگر یہ اس وقت ممکن ہوتا جب اسرائیل کے حکمراں اپنے رویہ میں بنیادی تبدیلی لاتے۔ اس عرصہ میں اسرائیلی حکمرانوں نے نہتے فلسطینیوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا۔ مغربی کنارے اور غزہ علاقوں میں یہودی فوجی نہ صرف فلسطینیوں کو قتل کرتے رہے بلکہ ان کے ساتھ جو بدترین سلوک اپنایا گیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق وہ نہ صرف حقوق انسانی کی پامالی ہے بلکہ جنگی جرائم کے ذیل میں آتا ہے۔ اس رپورٹ پر حقوق انسانی کے خودساختہ علمبردار امریکہ کی خاموشی بھی حیرت انگیز نہیں کیونکہ اسرائیل کے تعلق سے اس نے ہر معاملے کو جانچنے کے لئے ایک الگ پیمانہ بنالیا ہے۔ امریکہ کے اس جانبدارانہ رویہ بلکہ اندھی اسرائیل نوازی پر دنیا میں اس کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے۔ عالم اسلام نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک جس کھلی منافقت کی راہ پر گامزن ہیں وہ جاری رہے گی۔ گفتگو کے دور چلتے رہیں گے اور ان کا نتیجہ اسرائیل کے حق میں برآمد ہوتا رہے گا، اقوام متحدہ کی لاچاری بھی سب پر ظاہر ہے، اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کے حامل ملک عراق کو پہلے ہی کچلا جاچکا ہے، اب ایران کو نشانہ بنانے کی تیاری ہے، یہ کارروائیاں محض اس لئے ہورہی ہے کہ اسرائیل کو ہر خطرے سے محفوظ کیا جاسکے۔ ●●

عالمی قیادت: امریکہ کرے گا یا اسلام؟

اکبر زاہد، وانمباڑی

۲۵ر فروری ۲۰۰۹ء کو امریکی صدر بارک حسین اوباما نے امریکی کانگریس کے مشترکہ اجلاس سے اپنے اولین خطاب میں اعلان کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ امریکہ پھر سے عالمی قیادت کے لئے آگے آئے۔ بارک حسین اوباما کے یہ الفاظ اس بات کا واضح اعلان ہیں کہ امریکہ پوری دنیا پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ بالفاظ دیگر امریکہ دنیا کے دوسرے تمام ممالک کو اپنا ماتحت اور غلام بنانا چاہتا ہے۔ تعجب ہے کہ مسٹر بارک حسین اوباما کے اس اعلان کو ساری دنیا کے حکمرانوں نے خاموشی سے سنا اور کسی نے بھی ایک لفظ احتجاج کا زبان سے نہیں نکالا۔

مسٹر بارک حسین اوباما سے قبل امریکہ کے سابق صدر مسٹر جارج ڈبلیو بش نے بھی یہی چاہا تھا اور اس مقصد کو پانے کے لئے جارج ڈبلیو بش نے اپنے آٹھ سالہ دور اقتدار میں دو بڑی جنگیں زبردستی اپنے عوام پر تھوپی تھیں جس کے نتیجے میں آج امریکی معیشت بری طرح تباہ وبرباد ہوچکی ہے۔ جارج ڈبلیو بش سے قبل بھی کئی امریکی صدور نے پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ لیکن کسی کو بھی کامیابی نہیں ملی۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل ورسوا کردیتا ہے۔ جارج ڈبلیو بش کی جو رسوائی ایک عراقی رپورٹر کے ہاتھوں ہوئی اسے ساری دنیا جانتی ہے اور اس کے بعد ایک گیم ساز کمپنی نے اس واقعے کا ویڈیو گیم بنا کر جب دنیا کے سامنے پیش کیا تو یہ اب تک کے کھیلوں کا سب سے زیادہ مقبول اور فروخت ہونے والا گیم بن گیا اور آج اس گیم کے ذریعے دنیا کا ہر شخص جارج ڈبلیو بش پر جوتے پھینک رہا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر ذلت ورسوائی کی بات کوئی اور ہوسکتی ہے؟ یہ خدا کا فیصلہ ہے۔

بے شک یہ بھی خدا ہی کا فیصلہ ہے کہ ایک سیاہ فام آدمی امریکہ کا صدر بنے۔ اس کے لئے بارک حسین اوباما کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے انہیں امریکہ کا صدر بنایا اور پوری دنیا میں انہیں عزت بخشی۔ اس کے علاوہ انہیں اپنے پچھلے صدر کی غلطیوں سے سبق بھی لینا چاہئے اور ان غلطیوں کی تلافی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے برعکس غرور اور گھمنڈ میں آکر عالمی قیادت کی بات کرنا اقوام عالم کی سخت توہین کے مترادف ہے۔

ذرا غور کریں۔ کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہے کہ ایک تباہ حال ملک کا صدر عالمی قیادت کی بات کررہا ہے۔ وہ ملک جو اپنے آپ کو معاشی تباہی سے بچانہ سکا وہ عالمی قیادت کا اہل کیونکر ہوسکتا ہے؟ امریکہ کے پاس اب بچا ہی کیا ہے۔ خزانہ خالی ہوچکا، کتنے بینک دیوالیہ ہوگئے، کتنی ہی بڑی کمپنیاں بند ہوگئیں۔ پوری معیشت تباہ ہوگئی۔ طرہ یہ کہ بارک حسین اوباما نے جارج ڈبلیو بش کی تھوپی ہوئی جنگوں کو ختم کرنے کے بجائے اس کو برقرار رکھنا پسند کیا۔ عراق سے تو خیر بش کے دور اقتدار ہی میں فوج کی واپسی کا اعلان کردیا گیا تھا لیکن افغانستان میں اوباما کا یہ فیصلہ کہ وہاں مزید سترہ ہزار فوج روانہ کی جائے گی انتہائی درجہ غیر دانشمندانہ ہے۔ نیز پاک افغان سرحدوں پر بمباری اور پاکستان کے ساتھ اپنے رویے میں تبدیلی، اسرائیل کا ساتھ دینے کا عزم وغیرہ اس بات کا اشارہ ہے کہ امریکی صدر بارک حسین اوباما نے تبدیلی کا جو وعدہ کیا تھا وہ شاید اسے پورا کرنہیں پائیں گے۔ ایسا لگتا ہے کہ بارک حسین اوباما یہودی ذہنیت کے سامنے جھک گئے ہوں۔

عالمی قیادت کے دعویدار بارک حسین اوباما کو جان لینا چاہئے کہ عالمی قیادت کی ذمہ داری صرف وہی لے سکتا ہے جس کے پاس ایسا مکمل آئین ہو جو نہ صرف لوگوں کو زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا کرتا ہو بلکہ حکومت چلانے کا ایک جامع نظام بھی دیتا ہو۔ سیاسی ڈھانچے سے لے کر معاشی، اخلاقی اور تعلیمی ڈھانچے تک کے لئے واضح ہدایات رکھتا ہو۔ ایسا مکمل آئین دنیا کا کوئی بھی ملک نہیں دے سکتا۔ لہٰذا امریکہ عالمی قیادت کی خام خیالی چھوڑ کر اگر صرف اپنی ترقی کی طرف توجہ دے تو بہتر ہوگا۔

جہاں تک عالمی قیادت کا تعلق ہے، یہ قیادت صرف اسلام ہی عطا کرسکتا ہے۔ کیونکہ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے پاس مکمل آئین اور نظام زندگی ہے۔ اگر بارک حسین اوباما یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ عالمی قیادت کرے تو انہیں چاہئے کہ وہ اسلامی آئین اور اس کے نظام زندگی کو نافذ کریں اور اسلام کی زریں تعلیمات پر عمل کریں۔ پھر انشاء اللہ امریکہ سچ مچ عالمی قیادت کے قابل ہوجائے گا اور اقوام عالم بھی اپنے آپ کو امریکہ کی قیادت میں سونپنا باعث فخر سمجھیں گی۔

بارک حسین اوباما اگر سچ مچ یہ چاہتے ہیں کہ جس تبدیلی کا نعرہ لے کر وہ اٹھے تھے، اس پر عمل کریں تو وہ افغانستان کے ساتھ جنگ بند کردیں اور ان تمام ممالک سے جو بلاوجہ دوسرے ممالک پر حملہ کررہے ہیں اپنے سفارتی تعلقات منقطع کرلیں اور انہیں ہتھیاروں کی فراہمی بند کردیں۔ اگر مسٹر اوباما دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ سب سے پہلے اپنے تمام نیوکلیئر ہتھیار تباہ کردیں اور سبھی ممالک کے ساتھ دوستی اور محبت کے پیغام کا اعلان کریں۔ اگر مسٹر بارک حسین اوباما یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں امریکہ کی عزت برقرار رہے تو انہیں چاہئے کہ وہ غیر ترقی یافتہ ممالک اور مسلم ممالک پر اپنی دھونس جمانا چھوڑ دیں اور دل کی گہرائیوں سے اسلام کی حقانیت قبول کرلیں اور اسلامی آئین کو اپنے ملک میں نافذ کریں۔ پھر انشاءاللہ وہ دیکھیں گے کہ کس طرح امریکہ کا اقبال بلند ہوتا ہے اور وہ عالمی قیادت کا علمبردار بنتا ہے۔ ●●

شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ اخلاق

محمد امتیاز رحمانی
جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر

انسانیت سوز پرآشوب ماحول وفضا میں خالق یزداں نے مربی کائنات ؐ کو مبعوث فرمایا، شہنشاہ کونین کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہی تھا کہ دنیا ملعونیت سے آزاد ہو، خدائے رحیم وکریم کے ناموں کا بول بالا ہو، عناد وسرکشی کے رسم ورواج کا خاتمہ ہو۔ اخلاق فاضلہ، اوصاف حمیدہ کا چلن عام ہو، ہر انسان ایک دوسرے کا ہمدرد وغم گسار بنے۔ احسان شناسی ووفاشعاری، الفت ومحبت، عدل وانصاف کے ڈنکے بجیں اور ابن آدم کو دارین کی سعادت نصیب ہو۔

اب کیا تھا، اچانک دنیا میں انقلاب آیا، تمام برائیاں ختم ہوگئیں، ہر ایک کو جائز حقوق ملنے لگے، حتیٰ کہ عورتیں بھی قابل قدر شمار ہونے لگیں اور انسانی عظمتوں کی حق دار بن گئیں، بچیوں کی پرورش وپرداخت پر جنت کی بشارت دی گئی، شوہر کو ہدایت کی گئی کہ بلاوجہ مار پیٹ، سختی وزیادتی نہ کرے، ان کے حقوق کا پورا لحاظ وخیال رکھے، حاکم ہونے کی حیثیت سے اگر تنبیہ کی ضرورت پڑے تو ان کے بدن کو مار کر داغ دار نہ کرے اور شرعی حدود سے تجاوز نہ کرے، بچی جب ماں بن جاتی ہے تو سبحان اللہ! کیا کہنا، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ اس

حقیقت سے انکار کی جرأت کس کو ہوسکتی ہے کہ شہنشاہ کونین ؐ انسانی قدر ومنزلت اور اخلاق کریمانہ کے بڑے اونچے درجہ پر فائز تھے، قرآن حکیم نے ببانگ دہل اعلان کیا: ”آپ تو اخلاق کے بڑے مرتبہ پر فائز ہیں“۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا، نبی رحمت کا اخلاق کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا! کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ آپ کا اخلاق تو قرآن ہے، خود آپ کا ارشاد مبارک ہے: ”میں تو اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں“۔ قیامت کے دن مومن کے اعمال کے ترازو میں کوئی چیز خوش خلقی سے زیادہ وزنی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ بدگو اور بدزبان کو سب سے برا سمجھتا ہے، اخلاقیات کے سچے واقعات سے آپ کی حیات طیبہ تابندہ ودرخشندہ ہے۔ سرور عالم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کردیا، صحابہ کرامؓ ان کی خبر لینے چہار جانب سے دوڑ پڑے، محسن اعظم نے انھیں روک دیا، جب اعرابی پیشاب کرکے فارغ ہوا، تو آپؐ نے اسے قریب بلایا اور نہایت ہی شفقت سے اسے سمجھایا کہ عبادت گاہ میں پیشاب نہیں کیا کرتے، پھر پانی لاکر اپنے دست مبارک سے اس جگہ کو دھودیا۔ اسی طرح ایک دن مسجد نبوی میں جلوہ افروز تھے، ایک شخص آیا اور اس نے شہنشاہ کونینؐ سے ایک رقم کا مطالبہ کیا، اس کا دعویٰ تھا کہ رسول اکرمؐ کے ذمہ واجب الاداء قرض ہے، رسول اکرمؐ خاموش اس کی باتیں سنتے رہے، اس نے الٹی سیدھی باتیں شروع کردی اور آپ کی عبا پکڑ کر کھینچی، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بپھر کر اس کی طرف دوڑے، ہادی اعظمؐ نے نہایت صبر وتحمل کے ساتھ اس شخص کی گفتگو سن کر فرمایا: اے عمر! تمہیں ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے؛ بلکہ تم مجھے حسن ادائیگی کا مشورہ دیتے اور قرض خواہ کو حسن سلوک کی ہدایت کرتے۔ پھر آپؐ نے اس رقم کی ادائیگی کا انتظام کیا، وہ شخص رسول اکرمؐ کے اس اچھے اخلاق اور حسن سلوک سے اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ فوراً اسلام قبول کرلیا۔ حقیقت تو یہی ہے کہ دنیا کی ساری خوشحالی اور امن وامان کا انحصار حسن اخلاق ہی پر ہے، اگر انسان اپنے اخلاق وفرائض پر پوری ذمہ داری کے ساتھ عمل پیرا ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی اور ایسا انسان زندگی کے ہر مرحلے میں کامیاب وبامراد ہوگا۔ ●●

مشاہدات

امید کی سرزمین میری آنکھوں میں

عبدالرشید اگوان
صدر یونیورسل نالج ٹرسٹ

ایک مختصر سا قافلہ 'کوراپور' پہنچا، تامل ناڈو کے ضلع مدورئی کا یہ ایک چھوٹا سا گاؤں کبھی اخباروں کی سرخی بنا تھا۔ یہ ۱۹۸۰ء کے اواخر کی بات ہے جب دس دلت خاندان ابتداءً اور باقی چالیس خاندان تدریجاً مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ واقعہ 'میناکشی پورم' کے رحمت نگر بننے سے کئی ماہ پہلے کا ہے۔ ہمارا قافلہ مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند، مولانا سکندر اصلاحی سکریٹری قرآن انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ اور راقم الحروف کے علاوہ چند مقامی احباب کے ساتھ امیر مقامی مدورئی جناب نصیر احمد کی رہنمائی میں ۲ مارچ کی صبح اُس سرزمین پر وارد ہوا جو کمزور اور مظلوم انسانوں کو دو جہاں کی ذلت اور رسوائی سے نجات کی امید دلاتی ہے۔

ہم لوگ اسلامی فقہ اکیڈمی کے اٹھارہویں فقہی سیمینار میں شرکت کے لیے کنٹور-مدورئی میں وقوع پذیر ہوئے اور اس سہ روزہ سیمینار کے آخری دن وقت نکال کر اپنے شوق آرزو کو بر لانے کے لیے نکل پڑے۔ قافلہ صبح ۳ بجے کے آس پاس اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہوا۔ تقریباً ۶۰ کلومیٹر کے اس سفر میں تامل ناڈو کی مادی ترقی کی داستان بیان کرتی ۶ لین کی خوبصورت سڑک پرفضا دیار سے گزرتے ہوئے ناریل کے درختوں اور کیلے کے باغات کو اپنے آغوش میں سمیٹے ایسے زرخیز کھیتوں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے ہمارا تعارف کرا رہی تھی جہاں ایک طرف خوش رنگی اور شادابی تھی وہیں دوسری جانب کرب و بے چینی۔

مدورئی کنیا کماری شاہراہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر دور مشرق کی جانب ایک پتلی سڑک کے ذریعہ جب ہمارا کارواں کوراپور کے اسلامی سنٹر پر پہنچا تو وہاں ایک درجن سے زائد مقامی افراد ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے۔ ان کے پرنور اور پرسوز چہرے دیکھ کر آج سے تقریباً ۲۵-۳۰ سال قبل کے اس تامل ناڈو کی یاد تازہ ہوئی جو اس وقت ایک خاص سماجی تبدیلی سے گزر رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک کئی گاؤں دائرے اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور مساوات اور انسانی اخوت کی متلاشی سعید روحیں اپنی فطری منزل کے حصول کے لیے سرگرم تھیں۔ کوراپور سے اٹھی ایک چھوٹی سی لہر دھیرے دھیرے پورے جنوبی ہند اور بالآخر پورے ملک میں ایک سماجی طوفان بن گئی اور ہزاروں دلتوں نے اپنے آبائی مذہب سے ناتا توڑ کر اسلام سے اپنا رشتہ استوار کیا۔ مقامی ہندوؤں کے نچلے طبقے کے لوگ اپنے انسانی حقوق کی تلاش میں صدیوں سے بھٹک رہے تھے۔ انہیں اپنی تمام بے چینیوں اور دشواریوں سے نجات کی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ تامل ناڈو کے دلت ایک عرصے سے عیسائیت کی طرف مائل رہے۔ مگر وہاں بھی ان کے لیے ایک نئے ارذل طبقے میں تبدیل ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ تھا۔ برسوں کی ایسی صوبائی حکومتیں جو پچھڑے اور پسماندہ طبقات کی حمایتی اور ان کے دم پر بنی تھیں ان کی زندگی میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے سے قاصر رہی تھیں اور نہ ان کی پسماندگی کا مداوا ہوا اور نہ انہیں انسانی مساوات کے دیدار نصیب ہوئے۔ بالآخر ایسے افراد نے اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میں ان تپتے ہوئے ریگزاروں سے آکر پناہ لی، جہاں انہیں ہزاروں برسوں سے جلنے اور جھلنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ تبدیلی مذہب کے چند واقعات جو تامل ناڈو کے مدورئی، راماناتھ پورم اور ترینا ویلی اضلاع میں رونما ہوئے ایک ملک گیر طوفان کا پیش خیمہ بنے۔ بعض عوامل کی وجہ سے وہ لہر تو کچھ عرصہ میں ٹھہر گئی مگر اس نے اپنے پیچھے امت کے لیے کئی اہم کام چھوڑ دیے۔ ان میں سب سے اہم تھا آغوش اسلام میں آنے والے خاندانوں اور افراد کی اسلامی تربیت، ان کی باز آبادکاری اور انہیں مسلم معاشرے میں جذب کرنا۔ جماعت اسلامی ہند نے کئی مقامات پر اسلامی سنٹر بنا کر مذکورہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس علاقہ میں اپنی پرشوق آمد کے موقع پر راقم الحروف کے سامنے سب سے بڑا سوال یہی تھا کہ امت مسلمہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہے؟

ایک مختصر سی پرفضا راضی پر اسلامی سنٹر کوراپور کی عمارت اور ایک چھوٹی سی مگر پررونق مسجد واقع ہے۔ مسجد میں لگے کتبے کے مطابق اس کا افتتاح مولانا سراج الحسن نے جو اس وقت کرناٹک ریاست کے امیر حلقہ تھے، ۶ اگست ۱۹۸۱ء کو کیا تھا۔ یہ مسجد گاؤں کے پچاس نومسلم خاندانوں کے تمام بالغ مردوں کی نماز کے لیے اور بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور وعظ و تبلیغ کے پروگرام بھی ہوتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ مسجد کے امام خود نومسلم ہیں۔ گاؤں کے لوگوں میں اسلامی استحکام موجود ہے، لوگ شوق و ذوق سے اسلامی تربیت میں حصہ لیتے ہیں، خواتین کی الگ مجلس ہوتی ہے۔ اور فجر کی نماز میں زیادہ تر بالغ حضرات موجود رہتے ہیں۔ مگر دن کے اوقات میں نمازیوں کی تعداد کم رہتی ہے کیونکہ لوگ اپنی مصروفیات کی غرض سے باہر چلے جاتے ہیں اور دیر رات کو لوٹتے ہیں۔ بچے اور بچیاں جدید تعلیم سے بھی آراستہ ہو رہے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ ایک مقامی لڑکی نے بی کام کیا اور کمپیوٹر ٹریننگ لی ہے۔ مردوں میں کرتہ لنگی اور خواتین میں شلوار اور کرتہ کا چلن ہے۔ خواتین پردے کا بھی خیال رکھتی ہیں۔ گاؤں کے بعض نوجوان ایک خلیجی ملک میں کام کرتے ہیں۔ گاؤں کے اکثر لوگ کھیتی باڑی اور زراعت کے کاموں سے وابستہ ہیں۔

اس موقعہ پر امیر جماعت نے اپنے مختصر خطاب میں لوگوں کو مبارکباد دی کہ انہیں رب العالمین نے اپنے دین کے لیے پسند فرمایا۔ ان کا بیان تھا کہ علاقے کے لاکھوں لوگوں میں چند لوگوں کا دل اسلام کے لیے کھول کر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے مخصوص بندوں میں شامل کیا ہے کہ یہ اس کا بڑا فضل و کرم ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس عطا کی گئی دولت کو اپنے علم و جدوجہد کے ذریعہ مزید بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ ہمیشہ کی کامیابی نصیب ہو۔ اس پرسوز گفتگو کے بعد مقامی احباب کا تعارف کرایا گیا اور ان سے مصافحہ اور معانقہ کے بعد یہ قافلہ قریب کے ایک اور سنٹر کی طرف روانہ ہوا۔

شاہراہ سے تقریباً ۳-۴ کلومیٹر مغرب میں کھنڈیا گاؤں میں جب ہم پہنچے تو وہاں کئی بچے، نوجوان اور بزرگ ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے۔ یہ ایک ایسا گاؤں ہے جہاں کے دلتوں نے پہلے عیسائیت قبول کی اور پھر اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ سنٹر پر ایک چھوٹی سی مسجد میں ہم سب جمع ہوئے۔ تعارف کے دوران معلوم ہوا کہ گاؤں کا پرانا گرجا گھر آج بھی موجود ہے مگر ویران پڑا رہتا ہے۔ گاؤں میں اسلامی تعلیم کا شوق اس قدر پروان چڑھا کہ نہ صرف مقامی مسجد کے امام نومسلم ہیں بلکہ اس گاؤں کے تقریباً ۱۰-۱۲ نوجوان عالمیت اور فضیلت تک کی تعلیم حاصل کرکے آس پاس کے علاقے میں دینی تعلیم کے فروغ میں مصروف ہیں۔ یہاں بھی امیر جماعت کا خطاب ہوا۔ وقت کی قلت نے ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی واپسی کے سفر کے لیے مجبور کیا اور ہم تقریباً بارہ بجے کے آس پاس فقہ اکیڈمی کے سیمینار کی اجتماع گاہ پر پہنچ گئے۔

اس موقع پر نومسلم خاندانوں کے جس سب سے بڑے مسئلے کا علم ہوا اور جو دعوت اسلامی کے فروغ میں ایک بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے وہ ہے ان کی پیدائشی مسلم خاندانوں میں شادی۔ نومسلموں کی تربیت اور ان کی باز آبادکاری میں لگے ذمہ داروں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ نومسلم نوجوانوں کی شادیاں پشتینی مسلمانوں سے ہوں تاکہ نومسلم خاندان پوری طرح مسلم معاشرے میں جذب ہو جائیں اور ان کا وجود کسی ایک نئی برادری یا ارذل طبقے کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ مگر مقامی مسلمانوں میں ان نومسلموں کو اپنے اندر جذب کرنے کی تحریک دھیرے دھیرے ماند پڑتی جا رہی ہے اور اس کی وجہ سے اسلام کی جن روشن تعلیمات کے ذریعہ مساوات اور انسانی اخوت کی تلاش میں مقامی دلت آبادیاں رہتی ہیں ان کا عملی مظاہرہ افراد امت کی جانب سے خاطر خواہ انداز میں سامنے نہیں آ پایا ہے۔ یہ ایک ایسا مرحلہ ہے جہاں دعوت اسلامی کے علم برداروں کو ایک نئے انداز میں منصوبہ سازی کرنی ہوگی اور ملک کے خاص سماجی رجحانات کے بیچ اپنی راہ ہموار کرنی ہوگی۔ ●●

امریکہ سے سعودی تاجروں کے سرمایہ کی منتقلی

شاہد نعیم

سعودی عرب کا مالیاتی ادارہ ساما (سعودی عربین مانیٹرنگ ایجنسی) نے کہا ہے کہ امریکہ کے بین الاقوامی کریڈٹ بحران میں پھنسے ہوئے منصوبے اور بانڈز کی مارکٹنگ رکوانے کے لئے بڑے پیمانے پر ضرور احتیاطی تدابیر اور حکمت عملی تیار کرنے کی تجاویز زیر غور ہے۔ سعودی سرمایہ اور بعض مقامی بینک امریکی کمپنیوں اور بینکوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے سعودی عرب سمیت خلیج کے ملکوں میں ثالثی کا کردار ادا کررہے ہیں اور امریکی بانڈز اور منصوبوں کی ترویج میں لگے ہوئے ہیں اور امریکی مالیاتی بحران سے دسیوں سعودی سرمایہ کار متاثر ہوئے ہیں۔ انہوں نے متعلقہ کمپنیوں کے فنڈز کی جانب سے دیوالیہ ہونے کا اعلان ہونے کے بعد پھنسے ہوئے فنڈز اور منصوبے دوسرے کے ہاتھوں فروخت کئے ہیں۔ اس سے مقامی شہری اور تارکین وطن متاثر ہوسکتے ہیں۔ بینک ذرائع نے واضح کیا ہے کہ نیویارک میں انوسٹمنٹ کرنے والے اداروں اور فنڈز کے خلاف بعض خلیجی بنکوں نے قانونی چارہ جوئی شروع کردی ہے۔ خلیجی بینک امریکی بانڈز اور منصوبوں میں سرمایہ کاری کے باعث خسارے کی تلافی کا مطالبہ کررہے ہیں۔ ابوظبی کمرشل بینک اس مہم کی قیادت کررہا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ خلیجی ممالک کا دو ٹریلین ریال سے زیادہ سرمایہ امریکی مالیاتی اداروں میں پھنسا ہوا ہے جس میں زیادہ تر سرمایہ سرکاری اداروں کا بتایا جاتا ہے۔ دوسری جانب سعودی سرمایہ کاروں نے امریکہ میں اپنا لگایا ہوا سرمایہ نکالنا شروع کردیا ہے اور اس ماہ اکتوبر میں وہ اپنا تیس فیصد سرمایہ امریکہ سے نکال کر خلیجی مالیاتی اداروں میں لگادیں گے۔ اس صورت پر امریکی ذرائع ابلاغ نے بھی بہت تشویش کی نظر سے دیکھا ہے اور انہوں نے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو تحفظ کی یقین دہانی بھی کروانے کی کوشش کی ہے۔ دوسری جانب سرمایہ کاروں کا کہنا ہے کہ حالیہ اقتصادی بحران سے امریکہ میں سعودی سرمایہ کاروں کو پندرہ فیصد نقصان ہوا ہے اور اس بحران کی وجہ سے سرمایہ کاروں کا امریکہ کے مالیاتی اداروں پر اعتماد متاثر ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ اب اپنا سرمایہ واپس لاکر خلیجی ممالک کی منڈی میں انوسٹ کررہے ہیں۔ دوسری جانب امریکی مالیاتی ثالثوں اور مشیروں نے سعودی سرمایہ کاروں کو متنبہ کیا ہے وہ پہلی فرصت میں امریکی مارکیٹ سے نکلنے کا اہتمام کریں۔ اس حوالے سے انہیں جو بھی خسارہ ہوا ہے وہ اسے برداشت کریں ورنہ سنگین صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مقامی اخبار کے مطابق سعودی سرمایہ کاروں کو امریکی مارکیٹ سے نکلنے کا مشورہ ای میل کے ذریعہ دیا جارہا ہے کیونکہ آنے والے دنوں کے لئے اسے مزید خطرہ بتایا جارہا ہے۔

سعودی عرب نے اپنی اسٹاک مارکیٹ کے دروازے غیر مقیم غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لئے کھول دیے ہیں جس سے اسٹاک مارکیٹ میں بہتری آنے کی توقع ہے۔ یہ بات سعودی اسٹاک مارکیٹ کونسل کے اعلی عہدیدار نے بتایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مملکت کے حکام نے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے کا عزم کررکھا ہے۔ یہاں کی مختلف کمپنیوں اور اداروں میں بڑی تعداد میں غیر ملکی سرمایہ کار وسیع پیمانے پر سرمایہ کاری کررہے ہیں جس کے مثبت نتائج سامنے آنے اور مملکت کی اقتصادیات پر مرتب ہونے کی توقع ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری کے باعث یہاں کی نئی نسل کو روزگار کے مواقع میسر ہورہے ہیں۔ کونسل کے عہدیدار کا کہنا ہے کہ حکام نے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو اسٹاک مارکیٹ میں سرمایہ کاری کے لئے چند قواعد وضوابط وضع کئے ہیں جن کی پابندی ان کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے۔ ان پابندیوں میں متبادل معاہدے بھی شامل ہیں۔ غیر مقیم غیر ملکی سرمایہ کار انفرادی یا گروپ کی شکل میں بھی اسٹاک مارکیٹ میں سرمایہ کاری کرسکتے ہیں۔ سعودی اسٹاک مارکیٹ کونسل کے دیگر عہدیداران نے بتایا ہے کہ جب سے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس وقت سے یہاں کی مصنوعات میں بہتری آئی ہے اور ان کے درمیان مقابلے کی صورت پیدا ہوگئی ہے جس کے باعث ہر کمپنی دوسری کمپنی کے مقابلے میں اپنی کارکردگی بہتر بنانے کی کوشش کررہی ہے اور اس دوڑ کی وجہ سے یہاں کے صارفین کو معیاری مصنوعات مل رہی ہیں۔ بہتر سہولتیں فراہم ہونے کی وجہ سے غیر ملکی سرمایہ کاروں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ ماہرین اقتصادیات کا کہنا ہے کہ بیرون مملکت سعودی عرب کے دو ٹریلین ریال مختلف منصوبوں میں لگے ہوئے ہیں ان میں 1.5 ٹریلین ریال کا تعلق سرکاری سرمایہ کاری سے ہے جو خطرے سے باہر ہیں جب کہ سعودی بینکوں نے بیرون ملک دو سو ارب ریال لگائے ہوئے ہیں۔ 79 ارب ریال سے زیادہ غیر ملکی بینکوں پر واجب الادا ہیں۔ ماہر اقتصادیات عبدالحمید العمری نے کہا ہے کہ سعودی بینکوں کے 73.2 ارب ریال خطرے میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں غیر منقولہ جائدادوں کے رہن کا بحران پے در پے مالی بحرانوں کا باعث بنا، اس کی وجہ سے امریکی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی بازار خطرات سے دوچار ہوئے ہیں۔ دوسری جانب ولی عہد شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز نے اعلان کیا ہے کہ سعودی عرب کو بین الاقوامی مالیاتی بحران کا ادراک ہے۔ خادم الحرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے بحران کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد خصوصی کمیٹیوں کے قیام کا فرمان جاری کردیا ہے۔ سعودی عرب دنیا بھر کے ممالک کی ترقی اور استحکام کا خواہاں ہے اور متوازن پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

سعودی عرب کے تمام ایئر پورٹس، بندرگاہوں اور چیک پوسٹوں پر غیر ملکیوں کے فنگر پرنٹس لینے کا عمل شروع کردیا گیا ہے جس میں ہر آنیوالے مسافروں اور معتمرین کے فنگر پرنٹس لئے جارہے ہیں۔ معاون وزیر داخلہ شہزادہ محمد بن نائف بن عبدالعزیز نے حکم دیا ہے کہ مملکت میں بعض غیر ملکی کارکنوں کے فنگر پرنٹس اور آنکھوں کے عکس لینے کا عمل تیزی سے جاری ہے اور اب تک لاکھوں افراد کے فنگر پرنٹس اور آنکھوں کے عکس لئے جاچکے ہیں جس کے مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں اور اب تک اس کے ذریعے مختلف وارداتوں میں ملوث جرائم پیشہ درجنوں افراد کو گرفتار کیا جاچکا ہے، مکہ مکرمہ میں ادارہ وافدین کے ڈائریکٹر لیفٹیننٹ کرنل شعیل المطرفی نے کہا ہے کہ کسی بھی جرم میں ملوث پائے جانے والے غیر ملکی شخص کے پورے خاندان کو مملکت سے بے دخل کردیا جائے گا، اب تک جرائم پیشہ متعدد افراد کے خاندانوں کو ملک سے بے دخل کیا جاچکا ہے۔

اس اقدام سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہورہے ہیں اور وارداتوں میں ۴۰ فیصد کمی کی توقع ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ مملکت کے حکام معاشرے سے ہر قسم کی برائی ختم کرنے کے لئے تمام تر وسائل بروئے کار لارہے ہیں اور ایک اصلاحی مہم شروع کی گئی جس میں افریقہ اور ایشیائی باشندوں نے شرکت کی جنہیں ملکی قوانین کی پابندی کرنے اور ایک اچھے شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی تائید کی گئی۔ مطرفی نے کہا کہ بعد ازاں حکام نے فیصلہ کیا ہے کہ اچھے شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی تاکید کی گئی۔ مطرفی نے کہا کہ بعد ازاں حکام نے فیصلہ کیا ہے کہ جو غیر ملکی چوری، اغواء، رہزنی، لوٹ مار، گداگری، شراب نوشی، غیر قانونی طور پر اشیاء فروخت کرنے یا غیر ملکی کفیل کے پاس کام کرتے ہوئے پائے گئے تو نہ صرف اسے بلکہ اس کے پورے خاندان کو مملکت سے بے دخل کردیا جائے گا۔ اس حکمت عملی پر عمل درآمد شروع کردیا گیا ہے اور اب تک کئی خاندانوں کو گرفتار کرکے ادارہ ترحیل (Deportation dept) کے ذریعے وطن روانہ کردیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایشیا اور بعض عرب ملکوں سے تعلق رکھنے والے شرپسند عناصر میں جرائم کی شرح میں کافی حد تک کمی واقع ہوئی ہے۔ حکومت کے اس اقدام سے جرائم پیشہ افراد کے خاندانوں میں زبردست خوف وہراس پیدا ہوگیا ہے۔ اور وہ اپنی اصلاح اور بچوں کو جرائم سے روکنے کے علاوہ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے آراستہ ہونے کی سعی کررہے ہیں۔ ●●

پارلیمانی انتخاب میں اہم رول ادا کرسکتے ہیں مسلمان

مولانا اسرارالحق قاسمی

لوک سبھا انتخابات 2009 کا وقت قریب آچکا ہے۔ اعلان کے مطابق اگلے ماہ انتخاب کا باقاعدہ عمل شروع ہو جائے گا اور وسط مئی تک یہ عمل پورے ہندوستان میں تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ وقت کے بہت زیادہ قریب آجانے کی وجہ سے تمام سیاسی پارٹیاں زبردست تیاریوں میں مصروف ہوگئی ہیں۔ تاکہ وہ آنے والے انتخابات میں زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرکے پارلیمانی سیاست میں اپنا اثر ورسوخ بنا سکیں۔ جو سیاسی پارٹیاں مرکزی حیثیت کی حامل ہیں اور ان کا دائرہ ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے ان کی کوشش ہے کہ وہ اس بار اپنی سیٹوں میں مزید اضافہ کرلیں۔ متعدد پارٹیوں پر مشتمل محاذوں کی خواہش یہ ہے کہ وہ حکومت بنانے لائق سیٹیں حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ کون کتنا آگے جائے گا اور کون کتنا پیچھے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جس کو عوام چاہیں گے، اسے اقتدار کی کرسی تک لے جائیں گے اور جسے چاہیں گے اقتدار سے دور رکھیں گے۔ گویا کہ اگلی مرکزی حکومت کی باگ ڈور عوام کے ہاتھوں میں ہے۔

عام انتخابات میں ملک کے عوام کا رجحان کس طرف ہوگا حتمی طور پر اس بارے میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ہمارے ملک کی سیاسی صورتحال میں آئے دن تبدیلی واقع ہوتی جارہی ہے۔ پہلے عام انتخابات میں دو چار پارٹیاں ہی سرفہرست ہوتی تھیں اور پورے ملک کے ووٹرس انہی پارٹیوں کے امیدواروں کو منتخب کرکے پارلیمنٹ بھیجتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ تازہ ترین صورت حال کے مطابق عوام میں مرکزی پارٹیوں کے علاوہ علاقائی پارٹیوں کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ اب علاقائی پارٹیوں کے امیدوار بھی پارلیمانی الیکشن میں بڑی تعداد میں جیت حاصل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر 2004 کے عام انتخابات میں کانگریس کو 145 سیٹیں حاصل ہوئیں، بھارتیہ جنتا پارٹی کو 138، کمیونسٹ پارٹی کو 43، سماج وادی پارٹی کو 36، بہوجن سماج پارٹی کو 19، راشٹریہ جنتا دل کو 24، تیلگو دیشم پارٹی کو 5، جنتا دل یونائیٹڈ کو 8، شیوسینا کو 12، بیجو جنتا دل کو 11 اور لوک جن شکتی پارٹی کو 4 سیٹیں حاصل ہوئیں، ان کے علاوہ دیگر پارٹیوں نے بھی سیٹیں حاصل کیں۔

مرکزی سیاست میں علاقائی پارٹیوں کے بڑھتے اثر ورسوخ کا نتیجہ اس طور پر ظاہر ہوا کہ کسی ایک پارٹی کے لیے اپنے بل پر حکومت تشکیل دینا مشکل ہوگیا۔ اسی لیے اب محاذ بناکر انتخاب کے میدان میں اتر رہی ہیں۔ سردست دو بڑے محاذ ہیں۔ ایک یو پی اے اور دوسرا این ڈی اے۔ 2004 میں یو پی اے نے جن پارٹیوں کے اتحاد سے حکومت بنائی ان میں کانگریس کے علاوہ راشٹریہ جنتا دل، نیشنلسٹ کانگریس پارٹی، پی ایم کے، جھارکھنڈ مکتی مورچہ، لوک جن شکتی پارٹی اور بی ایس پی وغیرہ شامل تھیں۔ بعد میں بی ایس پی الگ ہوئی لیکن سماج وادی پارٹی نے یو پی اے سرکار کو حمایت دے دی۔ اسی طرح 1999 کے عام انتخابات کے بعد این ڈی اے نے جو حکومت بنائی اس میں بہت سی پارٹیاں شریک تھیں۔ یہی نہیں بلکہ اس سے قبل کے انتخابات میں بھی متعدد بار یہ صورت حال پیش آچکی ہے کہ کسی ایک پارٹی کو اکثریت نہ ملنے کی وجہ سے حکومت سازی کے لیے متعدد پارٹیوں کی اندر سے یا باہر سے حمایت لینی پڑی۔

سیاسی سطح پر رونما ہونے والی اس تبدیلی کے متعدد نقصانات بھی ظاہر ہوئے اور فائدے بھی۔ نقصان یہ ہوا کہ متعدد پارٹیوں کے تعاون سے تشکیل دی جانے والی سرکاریں مستحکم نہیں ہوتیں، ہمہ وقت یہ خطرہ دامن گیر رہتا ہے کہ نہ جانے کب سرکار گر جائے۔ جیسا کہ اس طرح کی صورت حال وی پی سنگھ سرکار، چندر شیکھر سرکار اور واجپئی سرکاروں کے ساتھ پیش آچکی ہے۔ یہ سرکاریں اپنی مدت پوری کیے بغیر ہی ختم ہوگئیں۔ قبل از وقت انتخابات کے عمل کا اضافی بوجھ ملک کو برداشت کرنا پڑا۔ جو سرکاریں مختلف پارٹیوں کی حمایت سے چلتی بھی ہیں تو ان کی قیادت کرنے والے لیڈران آزادانہ طور سے فیصلہ لینے کی جرأت نہیں کرپاتے اور پارٹیوں کے دباؤ میں رہتے ہیں، انہیں ہر موڑ پر، ہر مسئلہ میں ان کی خوشی ورضامندی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یعنی چند سیٹوں پر مشتمل پارٹیوں کے مفاد کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے بسا اوقات ملک کے مفاد کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

ظاہری بات ہے کہ یہ ملک کے لیے بہت بڑے خسارے کی بات ہے۔ البتہ پارلیمانی سیاست میں علاقائی پارٹیوں کے بڑھتے اثر ورسوخ کا ایک افادی پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ مرکزی سیاست سے معدودے چند پارٹیوں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہوا ہے، جس کے سبب اب ان کے لیے اپنی من مانی کرنا آسان نہیں رہا ہے۔ جیسا کہ متعدد واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ نہ صرف اپوزیشن بلکہ ملک کے عوام کے عام رجحان کے خلاف بھی حکومتوں نے آسانی سے فیصلے لیے۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اگر عوام کی بڑی تعداد کسی بات کو مناسب نہیں سمجھتی تو اس کو منظور کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حکومت میں شامل دوسری پارٹیاں اگلے الیکشن میں فائدہ اٹھانے کے لیے اس کے خلاف کھڑی ہوجاتی ہیں۔ ایٹمی ڈیل اس کی تازہ مثال ہے کہ حکمراں پارٹی کو اس ڈیل کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے اور اس کو منظوری دینے میں کتنا وقت لگا۔ کیونکہ نہ صرف اپوزیشن نے اس کی مخالفت کی بلکہ یو پی اے میں شامل کئی پارٹیاں اس معاملے میں سرکار کی راہ میں حائل نظر آئیں۔ بالآخر منموہن سرکار کو حکومت گرنے کا خطرہ اٹھا کر ایٹمی ڈیل کو حتمی شکل دینی پڑی۔

تازہ ترین صورت حال سے ایک اور فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب سرکار میں مختلف طبقات کی حصہ داری ہونے لگی۔ جس کے سبب تمام طبقات کی ترقی کے امکانات وسیع ہوگئے۔ اسی طرح علاقائی پارٹیوں کے سرکار میں شامل ہونے کی وجہ سے علاقائی سطح پر ترقیاتی کاموں کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا۔ کیونکہ سرکار میں شامل علاقائی پارٹیاں مرکزی سرکار پر دباؤ بنا کر اپنے صوبے کی تعمیر وترقی کے لیے خطیر رقموں کی مدد لے لیتی ہیں۔ اسی طرح مختلف طبقات واقلیتیں جنہوں نے اپنا ووٹ بینک بنالیا ہے، ان طبقات کے مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ برسر اقتدار پارٹیاں ان طبقات کو اس لیے ناراض نہیں کرنا چاہتیں کہ وہ انہیں اپنا ووٹ بینک خیال کرتی ہیں۔

حیران کن امر یہ ہے کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں نے پارلیمانی سیاست میں اس تبدیلی کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ پہلے مسلمانوں کو ایک دو مرکزی سیاسی پارٹیوں کے ذریعہ استعمال کیا جارہا تھا لیکن اب مسلمانوں کو مرکزی پارٹیوں کے علاوہ علاقائی پارٹیوں کے ذریعہ بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ یعنی سیاسی سطح پر ان کا استعمال تو خوب رہا ہے مگر انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے۔ مسلمانوں کی اس صورتحال کی ذمہ دار جہاں مرکزی و علاقائی پارٹیاں ہیں، وہیں اس کے ذمہ دار خود مسلمان بھی ہیں کہ دوسری چھوٹی چھوٹی اقلیتیں تو بدلتے سیاسی حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے موثر حکمت عملیاں وضع کرچکی ہیں لیکن مسلمان ہیں کہ پچیسوں کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود ملکی سیاست میں اپنا کوئی اثر ورسوخ نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کے مسائل کو متواتر طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے اور ان کی پسماندگی کو دور کرنے کی حکومتوں کی جانب سے بالکل بھی کوشش نہیں کی جاتی۔

حالات کا تقاضا ہے کہ مسلمان سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیں، اپنی سیاسی قوت کو پہچانیں اور اس کو یکجا کرکے اس کے ذریعہ اپنی ترقی وخوشحالی کے امکانات پیدا کریں۔ ملک کے آئین نے تمام باشندگان ہند کو انتخابات میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کا حق دیا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے حکومتوں میں ہر طبقہ کی اس کی آبادی کے تناسب سے حصہ داری کی پوری گنجائش موجود ہے۔ اگر مسلمان اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتے تو اکثریتی طبقہ کے بعد سب سے بڑی سیاسی قوت ان کی ہونی چاہیے تھی اور حکومت میں بھی اکثریتی طبقہ کے بعد سب سے بڑی حصہ داری انہی کی ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ بعض اندازوں کے مطابق ان کی آبادی تقریباً پچیس کروڑ ہے اور بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ لیکن اگر سرکاری اعداد وشمار پر بھی یقین کیا جائے تب بھی وہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں اور آبادی کے تناسب سے 80 پارلیمانی سیٹیں حاصل کرسکتے ہیں۔ اس دور میں جب کہ صرف چار، آٹھ اور چوبیس سیٹیں جیتنے والی پارٹیاں حکومت میں اپنا زبردست اثر رکھتی ہیں تو کسی طبقہ کی 80 سیٹیں حکومتیں بنانے وگرانے میں کتنا اہم رول ادا کرسکتی ہیں اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسے مسلمانوں کی بے شعوری یا بدنصیبی ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اتنے بہترین موقع کا بھی فائدہ نہیں اٹھا پا رہے ہیں اور آئینی سطح پر مکمل حقوق حاصل کرنے ہونے باوجود کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ سیاسی قوت اور سرکار میں خاطر خواہ حصہ داری حاصل کرنے کا ایک اور موقع ان کے سامنے ہے۔ اگر وہ قدرے سمجھداری سے کام لیں تو آنے والے انتخابات میں اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔ ●●

روس میں مسلمان

روس کی آبادی میں کمی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسٹیٹ ڈوما کمیٹی برائے تحفظ صحت نے روس میں آبادی میں اضافہ کرنے کے لئے لاولد جوڑوں پر ٹیکس عائد کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ حال ہی میں روس کے مقامی باشندوں کی آبادی میں بتدریج کمی اور مسلم آبادی میں اضافہ کے پیش نظر حکومت کو تشویش لاحق ہوگئی ہے۔ روس ڈوما کے ڈپٹی سشیل سلطانوف نے کہا کہ روس کے مسلمانوں میں روسی ذہنیت پائی جاتی ہے۔ ایک مباحثے کے دوران انھوں نے کہا کہ اسلامی دنیا روس کی اصل دشمن نہیں ہے۔ درحقیقت روس کی دشمن مغربی دنیا، جس نے ۲۰۱۵ء تک روس کے ٹکڑے کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ساری مغربی دنیا اس وقت عوام الناس کو گھٹانے کی بنیاد پر کھڑی ہے اس نے پہلے تمام شہریوں کی کٹوتی کی ہے۔ لیکن اسلام واحد مذہب ہے جو پیدائش میں کمی کا مخالف ہے۔

امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے تخمینے کے مطابق ۲۱ تا ۲۸ ملین مسلم روس میں آباد ہیں جو مجموعی آبادی کا تقریباً پندرہ تا بیس فیصد ہے جسے روس میں سب سے بڑی اقلیت والی آبادی کا درجہ حاصل ہے۔ مسلمانوں کے بڑے طبقے بحر اسود اور بحر کیسپین کے درمیان اوطیز، بلکارس، نوگائز، چیچنیا، سرکاسین، انگش، کردن، کرچپ اور داغستانی قومیت رکھنے والے مسلمان آباد ہیں۔

وولگا بیسن کے وسط میں تاتار اور لشکیری عوام کی بڑی تعداد موجود ہے جن میں زیادہ تر مسلمان ہیں، علاوہ ازیں پرم کری، الیانوسک اور شہر کے دیگر علاقوں میں رہائش پذیر ہیں۔ ان میں اکثریت کا تعلق تاتاری نسل سے ہے۔ روسی علاقوں میں سب سے پہلے داغستانی لوگوں نے اس وقت اسلام کو قبول کیا جب ۸ ویں صدی میں عرب مسلمانوں نے اس علاقے کو فتح کرلیا۔ ۹۲۲ میں وولگا بلغاریہ کو پہلی مسلم ریاست بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ بعد میں یوروپین اور کاکیپین ترکی کی کثیر تعداد نے مذہب اسلام کے آغوش میں پناہ لی۔ روسی مسلمانوں کی اکثریت سنی عقیدے کی حامل ہے۔ سوائے چند ایک علاقوں کے جہاں عارفانہ یا صوفیانہ عقائد کے ماننے والے افراد ہیں۔ ان کے یہاں خدائے بزرگ و برتر سے تعلق انفرادی طور پر تلاش کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ ازیریز فرقہ کا تعلق شیعہ مذہب سے ہے تاہم سوویت یونین سے علیحدہ ہونے کے بعد ان کی تعداد میں کمی آئی ہے۔ ۱۸۰۱ء میں روس شہر کزان میں پہلے مطبوعہ قرآن شائع ہوا۔ روس ان ملکوں میں

باقی صفحہ ۸ پر

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● سیوان۔ الیکشن کمیشن نے ووٹر لسٹ میں نام شامل کرنے کی سیوان کے ممبر پارلیمنٹ محمد شہاب الدین کی عرضی مسترد کردی۔ وہ اس وقت عمر قید کی سزا کاٹ رہے ہیں۔

● لکھنؤ۔ سماجوادی پارٹی کے صدر ملائم سنگھ یادو نے ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی کے کیس میں الیکشن کمیشن کے نوٹس کا جواب دے دیا ہے۔ الزام ہے کہ انھوں نے گیارہ مارچ کو ایٹہ میں نوٹ بانٹے تھے۔

● لکھنؤ۔ سماجوادی پارٹی کے صدر ملائم سنگھ یادو نے یہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ مجھے انتخابات سے پہلے یا بعد میں ممکنہ وزیر اعظم کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس وقت تیسرا مورچہ بنانا مناسب نہیں ہے۔

● نئی دہلی۔ وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے تیسرے مورچہ کے بارے میں کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے معنی کیا ہیں اور مقصد کیا ہے۔ تیسرے مورچہ کا خیال ہولی رومن امپائر جیسا ہے جو نہ تو مقدس تھی، نہ رومن اور نہ سلطنت۔ تیسرا مورچہ بھی تضادات سے بھرا ہوا ہے۔

● نئی دہلی۔ کرناٹک کے سابق وزیر اعلیٰ ایس بنگارپا پھر سے کانگریس میں شامل ہوگئے۔ پچھلے مہینے ہی انھوں نے سماجوادی پارٹی اور لوک سبھا کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

● ممبئی۔ حکومت مہاراشٹر نے الیکشن کمیشن کی منظوری سے آئی پی ایس افسر اور پنجاب کے سابق ڈائرکٹر جنرل آف پولیس ایس ایس ورک کو مہاراشٹر کا ڈی جی پی بنایا ہے جو اے این رائے کی جگہ لیں گے جن کے تقرر کو ممبئی ہائی کورٹ نے ٥/فروری کو کالعدم قرار دے دیا تھا۔ تاہم مسٹر ورک الیکشن سے متعلق کام نہیں کریں گے۔

● بھوپال۔ یہاں جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ نے اطلاعات کے حقوق کا دائرہ بڑھاتے ہوئے انتظامیہ سے مالی عطیات لینے والی غیر سرکاری تنظیموں کو بھی اس کے دائرہ کار میں شامل کر دیا ہے۔

● اگرتلہ۔ الیکشن کمیشن نے شمال مشرق کی ریاستوں سے کہا ہے کہ وہ پرامن طریقے سے اگلا الیکشن کرانے کے لئے ایک مربوط سیکورٹی ہب قائم کریں اور ساجھیداری والا میکانزم تیار کریں کیونکہ مرکزی وزارت داخلہ اس مرتبہ مناسب تعداد میں مرکزی نیم فوجی دستے فراہم نہیں کرے گی۔

● نئی دہلی۔ بی جے پی کے لیڈر ایل کے آڈوانی نے پارٹی کی جانب سے ٣٨ صفحات پر مشتمل آئی ٹی ویژن دستاویز جاری کرتے ہوئے کہا کہ اگر ان کی پارٹی مرکزی اقتدار میں آئی تو ہر ہندوستانی شہری کو کثیر المقاصد قومی شناختی کارڈ جاری کئے جائیں گے۔ اس کے لئے ایک قانون بنایا جائے گا۔ یہ کارڈ الیکشن اور راشن کارڈ کا بھی کام کرے گا اور ڈرائیونگ لائسنس کا بھی۔

● رانچی۔ جھارکھنڈ کے سابق وزیر اعلیٰ بابو لال مرانڈی نے کہا کہ ان کی پارٹی جھارکھنڈ وکاس مورچہ لوک سبھا انتخابات کے بعد تیسرے محاذ میں شامل ہوسکتی ہے۔

● نئی دہلی۔ سی پی آئی کے جنرل سکریٹری اے بی بردھن نے کہا کہ بی جے پی کا کوئی پروگرام عوام کے حق میں نہیں ہے۔ اس لئے وہ بار بار اپنے بنیادی ہندوتو ایجنڈے کی طرف لوٹ جاتی ہے اور وہ بالکل دیوالیہ ہو چکی ہے۔ اس لئے اب تیسرا مورچہ ہی مستحکم اتحاد فراہم کرے گا۔

● نئی دہلی۔ سی پی ایم کے لیڈر نیلوتپل بسو نے کہا کہ بی جے پی کو اب سمجھ میں آیا کہ ان کا فرقہ وارانہ ایجنڈا علاقائی پارٹیوں کے لئے قابل قبول نہیں ہے اس لئے ملک کے بڑے حصے میں اس کا کسی کے ساتھ اتحاد نہیں ہے۔

● پٹنہ۔ بہار کے مدھے پورہ پارلیمانی حلقے سے جنتا دل متحدہ کے صدر شرد یادو کا نام ووٹر لسٹ سے غائب ہے جبکہ وہ وہاں سے الیکشن لڑنا چاہتے ہیں۔ ضلع انتظامیہ اس کی انکوائری کرا رہی ہے۔

● ممبئی۔ این سی پی کے صدر شرد پوار نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں کہا کہ آندھرا پردیش، گجرات اور کرناٹک کے لیڈر وزیر اعظم بن چکے ہیں تو کوئی وزیر اعظم مہاراشٹر سے کیوں نہیں۔

● نئی دہلی۔ سپریم کورٹ نے اپنے ایک اہم فیصلے میں کہا ہے کہ جب کسی معاملے کے حالات اور واقعات ایک جیسے ہوں تو عدالت کے فیصلے کو نظیر کے طور پر لیا جاسکتا ہے۔

بین الاقوامی

● اسلام آباد: پاکستان کی وزیر اطلاعات شیری رحمٰن نے ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل جیو کی نشریات پر پابندی کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔

● دبئی۔ اسرائیل کی فوجی انٹلی جنس کے سابق سربراہ ایرون زیوی فرکش نے کہا ہے کہ پاکستان اسرائیل کے وجود کے لئے ایران کے مقابلے کہیں بڑا خطرہ ہے۔

● اسلام آباد۔ پاکستان میں وکلاء اور اپوزیشن کے احتجاجی مظاہرے کے پیش نظر سندھ، پنجاب اور شمال مغربی خطے میں حکم امتناعی نافذ کر دیا گیا۔ اسلام آباد فوج کے سائے میں ہے جبکہ بارہ سو سے زائد افراد حراست میں لئے گئے ہیں۔

● غزہ۔ حماس کے رہنما اسامہ ہمدان نے کہا ہے کہ حماس نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی الفتح کی درخواست مسترد کر دی ہے اور امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن کے اس بیان کو بھی مسترد کر دیا ہے کہ ایسی حکومت جو اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتی اس کے ساتھ تعاون نہیں کیا جائے گا۔

● تہران۔ ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے ملک پر عائد عالمی پابندیوں کی مدت میں ایک سال کی توسیع کو بچکانہ قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ عالمی طاقتیں اپنے فیصلے کریں اور ایران اپنا کام کرے گا۔

● کولمبو۔ سری لنکا کے صدر راج پکشے نے امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن سے ٹیلیفونک بات چیت میں کہا کہ ان کی حکومت کو امید ہے کہ آئندہ چند دنوں میں ایل ٹی ٹی ای کے غلبہ والے علاقوں کو باغیوں کے چنگل سے آزاد کرا کر جنگ میں پھنسے پچاس سے ٧٠ ہزار شہریوں کو صحیح سلامت باہر نکال لیا جائے گا۔

● واشنگٹن۔ امریکی محکمہ انصاف نے کہا ہے کہ اب امریکہ میں دہشت گردی کے شبہ میں پکڑے جانے والے افراد کو دشمن جنگجو قرار نہیں دے گا جبکہ زیر حراست افراد کو جنگ کے بین الاقوامی قوانین کے تحت حراست میں رکھا جائے گا۔

● اقوام متحدہ۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے کہا ہے کہ طالبان جنگجوؤں کی طرف سے کارروائی میں شدت کے سبب افغانستان میں سیکورٹی کی حالت کافی خستہ ہے اور اس سال مزید ابتر ہوسکتی ہے۔

● واشنگٹن۔ امریکی محکمہ خارجہ کے کارگزار ترجمان گارڈن ڈوگوئیڈ نے کہا ہے کہ اوبامہ انتظامیہ پاکستان میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان جاری ٹکراؤ کے پیش نظر پیدا ہونے والی کشیدگی کو کم کرنے کی کوشش کرے گی۔

● کابل۔ افغانستان میں امریکی فوج نے ایک آپریشن کے دوران پانچ شہریوں کو ہلاک کر دیا۔ امریکی فوج نے عام شہریوں کی ہلاکت کی تردید کی ہے۔

● غزہ۔ فلسطینی سنٹر فار ہیومن رائٹس نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ گزشتہ سال دسمبر میں غزہ حملے کے دوران ١٣٣٤ فلسطینی شہید ہوئے تھے جن میں ٩٦٠ عام شہری، ٢٣٩ پولیس اور حماس کے ٢٣٥ کارکنان تھے۔ جبکہ ہلاک شدگان میں ١٢١ خواتین اور ٢٨٨ بچے شامل ہیں۔ زخمیوں کی تعداد ٥٣٠٣ تھی جن میں ٨٢٨ خواتین اور ١٦٠٦ بچے ہیں۔

● اقوام متحدہ۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ سری لنکا میں فوج اور تمل باغیوں کے اقدامات جنگی جرائم کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ حقوق انسانی کے لئے ادارے کی ہائی کمشنر نوی پلے نے یہ بات کہی۔

● لندن۔ خلیج گوانتانامو کی جیل سے رہا ہونے والے برطانوی شہری بنیام محمد نے کہا ہے کہ اگر ان کے معاملے میں برطانیہ کا ہاتھ نہیں ہوتا اور انہیں زبردستی امریکہ کے حوالے نہیں کیا جاتا تو ان پر تشدد نہیں ہوتا۔

● واشنگٹن۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے کہا ہے کہ امریکہ کو سری لنکا میں حکومت کی جانب سے محفوظ قرار دیئے جانے والے علاقوں میں بگڑتی ہوئی صورتحال اور انسانی جانوں کے ضیاع پر کافی تشویش ہے۔ اقوام متحدہ کے اندازوں کے مطابق دو ماہ سے سری لنکائی فوج اور ایل ٹی ٹی ای کے درمیان جاری لڑائی میں ٢٨٠٠ سے زائد شہری ہلاک اور سات ہزار زخمی ہو چکے ہیں۔

مولانا مودودیؒ کا لٹریچر ایک دعوت انقلاب

محمد احسن عالم
لکچرار، شعبۂ اردو، الشمس ملیہ کالج، ارریا

مولانا مودودیؒ کا تیار کردہ لٹریچر زندگیوں کو بدل دینے اور انہیں صحیح سمت سفر دینے کی قوت اور توانائی رکھتا ہے۔ اس نے اپنے زور سے ایک عظیم اسلامی تحریک پیدا کردی جو پھیلتے پھیلتے پورے برعظیم جنوب مشرقی ایشیا میں پھیل گئی۔ پھر پورے عالم اسلام میں اور وہاں سے گزر کر دنیا کے بیشتر ممالک میں اپنے نظریات واثرات کے ساتھ یہ تحریک وسعت پکڑتی چلی گئی۔ آپ کی دینی خدمات کے لئے سعودی عرب نے ”شاہ فیصل ایوارڈ“ برائے دینی خدمات سے نوازا۔ وہ دنیا کے پہلے مبلغ اور عالم دین ہیں جن کو یہ اعزاز ملا۔

مولانا مودودیؒ کا تیار کردہ لٹریچر ہی دراصل تحریک اسلامی کا بنیادی اور اساسی لٹریچر ہے۔ اور جماعت اسلامی کی غذا اور نمو کا ذریعہ ہے۔ یہ لٹریچر ہردم تازہ ہر جگہ موزوں اور ہر حال میں دعوت کا بہترین سرچشمہ ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اسی لٹریچر نے مردہ دلوں کو زندگی دی، پست ہمتوں کو بلند عزم وحوصلہ دیا اور شکست خوردہ ذہنیتوں کو ایک نہ تھکنے والا ولولہ دیا۔ جمود سے حرکت میں لایا۔ ہماری ملی زندگی کے ہر گوشے میں صالح خون کی طرح پھیل کر یہ لٹریچر دیرینہ بیماریوں کا علاج کر رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس سے رجوع کیا ہے، ان کے قلوب کی بیماریوں کو اللہ نے شفا دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لٹریچر تمام تر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کردہ ہے۔ جو کچھ قرآن کریم انسانوں سے کہنا چاہتا ہے وہی یہ لٹریچر قرآن حکیم سے لے کر بندوں تک پہنچاتا ہے۔ جو کچھ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت ملتی ہے، اللہ کے بندوں میں تقسیم کرتا ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں۔

جس طرح قرآن کے لانے والے، رسول کا پیغام روم میں رومی زبان، اور فارس میں فارسی زبان کو اختیار کرتا تھا اور ہر رنگ وہر زبان میں اللہ اور اس کے رسول کی ایک ہی بات ایک ہی دعوت اور ایک ہی ہدایت پہنچائی جاتی تھی۔ اسی طرح تحریک اسلامی بھی جن انسانوں تک اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچا رہی ہے، ان کی زبانوں میں وہی بات پہنچا رہی ہے جو قرآن اور سنت نے انسانوں سے کہی ہے۔

تعمیر کردار کے سلسلے میں اس لٹریچر نے قوم کی جو خدمات انجام دی ہیں، ان کی نظیر صدیوں سے مسلمان قوم میں نہیں ملتی۔ اول تو اللہ کے فضل وکرم نے اس کی اشاعت کا اس وقت انتظام فرمایا جب مسلمان قوم اپنے انحطاط کی نچلی سطح کو چھو رہی تھی اور لوگ بے دین ہو رہے تھے۔ مشرکانہ رسوم ورواج کا بول بالا تھا۔ تحریک اسلامی کے اس لٹریچر نے قوم کی تعمیر سیرت میں زبردست حصہ لیا اور اسے اسلام کے تمام گوشوں سے نہ صرف آگاہ کیا، بلکہ اسلام کے مطابق چلنے پر ابھارا۔ جو لوگ مغربی علوم کے ساتھ مغربی علوم کے ساتھ مغربی تہذیب کو بھی بنیاد ترقی وتہذیب سمجھتے تھے، انہیں اسلامی تہذیب، آداب واخلاق سے آشنا کیا۔ کالجوں کے وہ نوجوان جو سیر وتفریح ہنسی مذاق کو حاصل زندگی سمجھتے تھے، انہیں زندگی کے مسائل پر غور کرنے کے لئے سنجیدگی، متانت اور وقار عطا کیا۔

ملت میں جس طرح کوئی فتنۂ جاہلیت ابھرتا ہوا نظر آیا اس لٹریچر نے اس کی جڑ کاٹنے کی کوشش کی۔ غیر اسلامی فکر کے ایک ایک ڈھیلے کو ملی شعور کی کھیتی میں چن چن کر توڑا۔ اور آج مسلمان قوم کا کوئی فرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلامی زندگی کے متعلق کسی مسئلے کے بارے میں تحریک اسلامی کا لٹریچر خاموش ہے اور رہنمائی نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے مکمل اسلامی ضابطہ حیات ہمارے سامنے رکھا۔

بعض لوگ تحریک کے لٹریچر کو اس تحریک کے روح رواں اور مروج سیاست میں اس کی سست رفتاری دیکھ کر کہتے ہیں ”یہ تو علمی ادارہ ہے جو بہت اچھا علمی کام کر رہا ہے لیکن اس کا سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔“ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک اسلامی کو ایسی سیاست سے کوئی واسطہ نہیں، جس کے جلسوں میں کرسیاں چلتی ہیں، جس کے انتخاب میں بوگس ووٹ، شرارت اور غنڈہ گردی چلتی ہے۔ لیکن تحریک اسلامی تو ظاہر ہے کہ ایک انقلابی فکر اور دعوت لے کر آگے بڑھ رہی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں تعمیری اور اسلامی رجحانات کی پرورش کی داعی ہے۔ یہ کام دل ودماغ کی تبدیلی اور زندگی کی یکسر کایا پلٹ کا پروگرام ہے۔ یہ کام چند بلند بانگ نعروں یا جوڑ توڑ سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ تحریک تو پوری قوم وملت کو آہستہ آہستہ تربیت دے کر اپنی اصلاح کے معیار مطلوب پر لا رہی ہے۔

یہ لٹریچر ایک عظیم انقلابی قوت ہے۔ جو قوم کے اندر پرورش پا رہی ہے۔ یہ انقلابی قوت انہی خطوط کی پیروی کر رہی ہے۔ جن پر خاک حجاز سے انقلاب برپا ہوا تھا۔ جس طرح اس قوت نے پسماندہ لوگوں کو اٹھا کر استحصال اور ظلم کے نمائندہ سرداروں سے لڑا دیا تھا۔ ایک اللہ کی پرستش بتا کر سارے الٰہوں کے خلاف لڑ جانے کے لئے دبے ہوئے لوگوں کو ابھار دیا تھا۔ اسی راستے پر چلنے کی اتباع کرتے ہوئے سید مودودیؒ کے اس لٹریچر نے بھی لاکھوں زندگیوں میں انقلاب برپا کیا ہے۔ حرام کمائی کے عیش چھوڑ کر حلال کی خشک روٹی پر آمادہ کر دیا۔ قریب ترین عزیزوں سے کٹ کر صرف اللہ کی راہ میں سینے پر زخم سہہ جانے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔

اس تحریک کو چندہ بازی کی اس پست جگہ سے ہمیشہ بلند رکھا۔ جس سطح پر آ کر تحریکیں اپنا وقار اور اعتماد کھو بیٹھتی ہیں۔ ایک طرف اس نے عوام میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ ابھارا اور تحریک کی طرف آنے والوں کو اس بات پر مطمئن کر دیا کہ جب وہ اللہ کی راہ میں آ رہا ہے تو اپنے سارے ذرائع ووسائل لے کر آئے۔ اپنے کردار کے ساتھ ساتھ اپنی جیب کو بھی مسلمان بنائے اور دوسری طرف اس کی وسعت اشاعت نے تحریک کو فائدہ پہنچایا۔

دراصل یہ لٹریچر خون جگر سے لکھا گیا ہے۔ اس کی سطر سطر میں لکھنے والے نے اپنی رگوں کا خون نچوڑا ہے، وہ راتوں کو لکھنے کی میز پر بیٹھا ہے تو لکھتے لکھتے صبح کر دی ہے، زندگی کی راتیں قرآن کے تدبر پر صرف کی ہیں، اس نے سنت رسول کی انمول موتیوں کو چننے کے لئے غواصی کی ہے۔ جب دنیا آرام کی نیند سوتی رہی ہے اس نے شب بیداری کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا لٹریچر اپنے اندر کتنی تاثیر کا حامل ہوسکتا ہے اور کتنی قوت تسخیر اس کے اندر پوشیدہ ہوسکتی ہے۔ یہ وہ لٹریچر ہے جس نے ہزاروں لاکھوں بھٹکے ہوئے انسانوں کو زندگی کا نصب العین سمجھایا ہے۔ دوزخ کے گڑھے کی طرف جوق در جوق جانے والوں کو اللہ کی رضا کے راستے پر لگایا ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جس نے کتنے ہی زندگی کے بھٹکے ہوئے مسافروں کو سیدھی راہ پر لگا دیا ہے۔ یہ لٹریچر تو وہ متاع عزیز ہے جس کا ایک ایک ورق سونے میں تولا جائے اور ہیرے جواہرات سے بھی اس کی قیمت لگائی جائے تو اس کی قیمت نہ لگ سکے۔ جن لوگوں نے اپنی زندگیوں کے رخ اس تحریک اور لٹریچر کے زور سے بدلتے ہوئے دیکھے ہیں، وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے لئے اس کی قیمت کیا ہے۔ ●●

پارلیمانی انتخابات میں آزاد اُمیدواروں کی کارکردگی

پارلیمانی انتخابات	آزاد امیدوار	کامیاب	ضمانت ضبط
١٩٥٢	٥٣٣	٣٧	٣٦٠
١٩٥٧	٤٨١	٤٢	٣٢٤
١٩٦٢	٤٧٩	٢٠	٣٧٨
١٩٦٧	٨٦٦	٣٥	٧٤٧
١٩٧١	١١٣٤	١٤	١٠٦٦
١٩٧٧	١٢٢٤	٩	١١٩٠
١٩٨٠	٢٨٢٦	٩	٢٧٩٤
١٩٨٤	٣٧٩١	٥	٣٧٤٥
١٩٨٩	٣٧١٢	١٢	٣٦٧٢
١٩٩١	٥٥١٤	٥	٥٤٩٧
١٩٩٦	١٠٦٣٥	٩	١٠٦٠٤
١٩٩٨	١٩١٥	٦	١٨٩٨
١٩٩٩	١٩٤٥	٦	١٩٢٨
٢٠٠٤	٢٣٨٥	٥	٢٣٧٠

پانچ روزہ سیرت مہم

بنگلور۔ شعبۂ خواتین جماعت اسلامی ہند بنگلور سینٹرل نے کارکنان جماعت کے تعاون سے پانچ روزہ سیرت مہم بعنوان ”ملک کی خیر خواہی۔ سیرۃ النبیؐ سے رہنمائی“ کا اہتمام کیا جس میں غریبوں کو راشن کی تقسیم اور اسپتالوں میں مریضوں کو پھل اور بسکٹ کی تقسیم کی گئی۔ لوگوں کو اسلام کی روشنی میں پاکی وصفائی کی اہمیت سمجھائی گئی اور آنے والے انتخابات کے پیش نظر ووٹر آئی ڈی کارڈ کی اہمیت بھی بتائی گئی۔ اس کے علاوہ اسپتالوں کے ڈاکٹروں اور اسٹاف سے گفتگو کر کے سیرتؐ کے موضوع پر کنڑا اور انگریزی میں کتابیں اور شعبہ خواتین کی جانب سے تیار کردہ کتابچہ ”خواتین کے حقوق۔ پاسداری اور تحفظ کیسے“ تحفتاً دیا گیا۔

دعائے مغفرت

● جناب شیخ مجتبیٰ فاروق سکریٹری جماعت اسلامی ہند کے والد جناب عبدالوہاب اورنگ آباد، مہاراشٹر کا انتقال ہوگیا۔
رفیق احمد، مرکز

● خیرآباد (سیتاپور)۔ چچا مرحوم عبدالصمد عرف لالہ صاحب کی اہلیہ محترمہ حجن چچی صاحبہ محلہ پٹیا سیتاپور کا کافی دنوں کی علالت کے بعد یکم مارچ ٢٠٠٩ء کو رات میں انتقال ہوگیا۔ عارف علی انصاری شیخ پورہ، خیرآباد
مرحومین کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

دارالسلام عمرآباد میں سمر اسلامک کیمپ

عمرآباد۔ کالج اور ہائر سکنڈری کے مسلم طلبہ کے لئے ستائیسواں سمر اسلامک کیمپ جامعہ دارالسلام عمرآباد میں ١٨/اپریل تا ٣/مئی منعقد ہوگا۔ اس کیمپ میں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقفیت کے ساتھ دینی تربیت بھی دی جائے گی۔ ذریعہ تعلیم اردو، انگریزی اور تمل زبانیں ہوں گی۔ شریک ہونے والے طلبہ کے قیام اور طعام کا مفت انتظام رہے گا۔ خواہش مند طلبہ داخلہ فارم حسب ذیل پتہ سے حاصل کر سکتے ہیں اور داخلہ فارم جمع کرنے کی آخری تاریخ ١٠/اپریل ہے۔ منتخب طلبہ کو پیشگی اطلاع کر دی جائے گی۔

ڈائریکٹر سمر اسلامک کیمپ
جامعہ دارالسلام، عمرآباد ٦٣٥٨٠٨ تمل ناڈو

عام انتخابات سے قبل ریاستوں کا سیاسی وانتخابی منظر نامہ (٦)

(١٣) مہاراشٹر

لوک سبھا کی نشستیں: ٤٨ — اسمبلی کی نشستیں: ٢٨٨

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ٢٠٠٤ء	اسمبلی الیکشن ٢٠٠٤ء
کانگریس	١٣	٧٥
این سی پی	٩	٧٢
شیوسینا	١٢	٥٦
بی جے پی	١٣	٥٤
آزاد ودیگر	١	٣١

نوٹ: نئی حد بندی سے ریاست کی گیارہ پارلیمانی نشستیں متاثر ہوتی ہیں۔ جہاں تک سیاسی پارٹیوں کے انتخابی اتحاد کا تعلق ہے تو کانگریس اور این سی پی اتحاد، شیوسینا اور بی جے پی اتحاد دونوں میں اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر اتحاد برقرار رہا تو مقابلہ دورخی ہوگا بعض حلقوں کے نتائج پر مہاراشٹر نونرمان سینا اور سماجوادی پارٹی اثر انداز ہوں گی۔ خصوصاً ممبئی کے پارلیمانی حلقوں کے نتائج متاثر ہوں گے۔

(١٤) تملناڈو

لوک سبھا کی نشستیں: ٤٠ — اسمبلی کی نشستیں: ٢٣٤

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ٢٠٠٤ء	اسمبلی الیکشن ٢٠٠٦ء
ڈی ایم کے	١٦	٩٤
کانگریس	١٠	٣٤
پی ایم کے	٦	١٨
ایم ڈی ایم کے	٤	٥
سی پی آئی	٢	٦
سی پی آئی (ایم)	٢	٩
اے ڈی ایم کے	صفر	١
آزاد ودیگر	صفر	٤

نوٹ: نئی حد بندی سے لوک سبھا کی تیرہ نشستیں متاثر ہوئی ہیں۔ اس ریاست کی خصوصیت ہے کہ ایک الیکشن میں عوام ڈی ایم کے اتحاد کو ووٹ دیتے ہیں تو دوسرے الیکشن میں اے ڈی ایم کے اتحاد کو۔ عموماً ان ہی دونوں اتحاد میں مقابلہ دورخی ہوتا ہے جس میں حکمراں جماعت یا اتحاد کو اپنی پوزیشن برقرار رکھنا بہت بڑا چیلنج ہوتا ہے۔

(١٦) پنجاب

لوک سبھا کی نشستیں: ١٣ — اسمبلی کی نشستیں: ١١٧

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ٢٠٠٤ء	اسمبلی الیکشن ٢٠٠٧ء
شرومنی اکالی دل (بادل)	٨	٤٩
بی جے پی	٣	١٩
کانگریس	٢	٤٤
آزاد ودیگر	صفر	٥

نوٹ: نئی حد بندی سے ریاست کی پارلیمانی نشستیں زیادہ متاثر نہیں ہوتیں۔ ماضی کی طرح اس بار بھی مقابلہ بیشتر حلقوں میں اکالی دل۔ بی جے پی اتحاد اور کانگریس کے درمیان دورُخی ہوگا۔ بعض حلقوں کے نتائج پر بہوجن سماج پارٹی اثر انداز ہوسکتی ہے۔

دماغین برین ٹانک
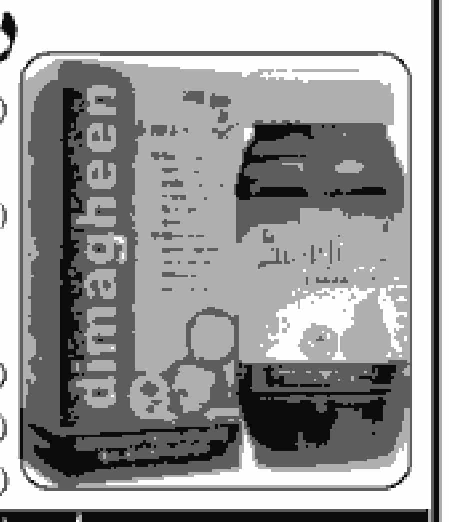

(١) دماغین ہر عمر کے ذہنی وجسمانی طور سے مصروف لوگوں کے لئے مددگار ہے
(٢) دماغین میں دوائی وغذائی اجزاء سے بھرپور مشہور پھل آملہ جزو اعظم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جس میں وٹامن ”سی“ سب سے زیادہ اور ساتھ میں کیلشیم اور فولاد بھی پایا جاتا ہے۔
(٣) دماغین یکسوئی کو بڑھاتا ہے۔ اور تھکان کم کرتا ہے۔
(٤) دماغین منہ کی بدبو کو دور کرتا ہے اور ہضم کی اصلاح کرتا ہے۔
(٥) دماغین خوش ذائقہ تازگی وتوانائی سے بھرپور ایک یونانی دوا ہے۔
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دعوت

ایک غیر معمولی پیشکش

جماعت اسلامی ہند کے ٦٠ سال

اکابر جماعت کی نظر میں

● جماعت اسلامی ہند کا قیام اور اس کا پس منظر ● نصب العین ● حالات اور مسائل ● ساٹھ سالہ سفر کا اتار چڑھاؤ
● مشکلات اور آزمائشیں ● تجربات ومشاہدات ● خدمات ● اہداف ● ترجیحات ● پیش رفت

جماعت کی دستاویزی پیشکش جس سے ملک میں تحریک اسلامی کی بنیادوں اور اس کی تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور تحریک کو مضبوط اور مزید فعال بنانے میں رہنمائی حاصل ہوگی۔

جماعت کی یگانہ روزگار شخصیات

★ مولانا محمد شفیع مونس ★ مولانا سید جلال الدین عمری ★ مولانا محمد سراج الحسن
★ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری ★ مولانا عبدالعزیز ★ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
★ ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی ★ مولانا محمد ارتضاء الدین حاذق ضیائی سہسرامی

ان حضرات کے علاوہ

● محمد جعفر (نائب امیر جماعت) ● پروفیسر کے اے صدیق حسن (نائب امیر جماعت)
● نصرت علی (قیم جماعت) سے ان کے میدانِ کار سے متعلق گفتگو اور ● ڈاکٹر محمد رفعت کی فکر انگیز تحریر

صفحات 250 — تاریخ اشاعت ٢٨/مارچ ٢٠٠٩ء — قیمت-/50روپے

عہد نبویؐ میں فرشتوں، جنوں اور ابلیس کا کردار

عبدالحفیظ بٹ

بیرون مکہ دعوت اسلام:

شوال ۱۰ نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ یہ مکہ سے تقریباً ساٹھ میل دور ہے۔ آپ ﷺ نے یہ مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی تھی۔ آپؐ کے ہمراہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں دس دن قیام فرمایا۔ اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

ان کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو احد کے دن سے زیادہ سنگین رہا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں! تمہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں گھاٹی کے دن دوچار ہوا۔ جب میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن عبدکلال کے صاحبزادے پر پیش کیا مگر اس نے میری بات منظور نہ کی تو میں غم والم سے نڈھال اپنے رخ پر چل پڑا اور مجھے قرن ثعالب پہنچ کر ہی افاقہ ہوا۔ وہاں میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے پکار کر کہا: ”آپؐ کی قوم نے آپؐ سے جو بات کہی اللہ نے اسے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپؐ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپؐ ان کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں“۔ اس کے بعد فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بات یہی ہے۔ اب آپ ﷺ جو چاہیں، اگر چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں تو ایسا ہی ہوگا......“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گی“۔

(واضح رہے کہ اس موقع پر صحیح بخاری میں لفظ اخشبین استعمال کیا گیا ہے جو مکہ کے دو مشہور پہاڑوں ابوقبیس اور قعیقعان کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہ دونوں پہاڑ علی الترتیب حرم کے جنوب و شمال میں آمنے سامنے واقع ہیں۔ اس وقت مکے کی عام آبادی ان ہی دو پہاڑوں کے بیچ میں تھی۔)

سفر طائف سے واپسی پر جنوں کی آمد

(سفر طائف سے واپسی کے موقع پر) وادیٔ نخلہ میں آپ کا قیام چند دن رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی جس کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ الاحقاف میں، دوسرے سورۂ جن میں۔ (اس موقع پر) جنوں کی آمد اور قبول اسلام کا واقعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسری مدد تھی جو اس نے اپنے غیب مکنون کے خزانے سے اپنے اس لشکر کے ذریعے فرمائی تھی جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری بیعت عقبہ کے موقع پر شیطان کا کردار

نبوت کے تیرہویں سال موسم حج (جون ۶۲۲ء) میں یثرب کے ستر سے زیادہ مسلمان فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ تشریف لائے۔ یہ اپنی قوم کے مشرک حاجیوں میں شامل ہوکر آئے تھے۔ حضرت کعبؓ واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ہم لوگ حسب دستور اس رات اپنی قوم کے ہمراہ اپنے ڈیروں میں سوئے، لیکن جب تہائی رات گزر گئی تو اپنے ڈیروں سے نکل نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طے شدہ مقام پر جا پہنچے۔ ہم اس طرح چپکے چپکے دبک کر نکلتے تھے جیسے چڑیا گھونسلے سے سکڑ کر نکلتی ہے، یہاں تک کہ ہم سب عقبہ میں جمع ہوگئے۔ ہماری کل تعداد ۷۵ تھی۔ ۷۳ مرد اور دو عورتیں۔ ہم سب گھاٹی میں جمع ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے اور آخر وہ لمحہ آ ہی گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ سب سے پہلے بات بھی انھوں نے ہی شروع کی۔ بعد ازاں جب بیعت مکمل ہوچکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز رکھی کہ بارہ سربراہ منتخب کرلئے جائیں۔ جب ان نقباء کا انتخاب ہوچکا تو ان سے سردار اور ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور عہد لیا۔

معاہدہ مکمل ہوچکا تھا اور اب لوگ بکھرنے ہی والے تھے کہ ایک شیطان کو اس کا پتہ لگ گیا۔ چونکہ یہ انکشاف بالکل آخری لمحات میں ہوا تھا اور اتنا موقع نہ تھا کہ یہ خبر چپکے سے قریش کو پہنچادی جائے اور وہ اچانک اس اجتماع کے شرکاء پر ٹوٹ پڑیں اور انہیں گھاٹی ہی میں جالیں، اس لئے اس شیطان نے جھٹ ایک اونچی جگہ کھڑے ہوکر نہایت بلند آواز سے، جو شاید ہی کبھی سنی گئی ہو، یہ پکار لگائی: ”خیمے والو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو۔ اس وقت بددین اس کے ساتھ ہیں اور تم سے لڑنے کے لئے جمع ہیں“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ اس گھاٹی کا شیطان ہے۔ او اللہ کے دشمن! سن، اب میں تیرے لئے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں“۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے ڈیروں پر چلے جائیں۔ اس شیطان کی آواز سن کر حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو ہم کل اہل منیٰ پر اپنی تلواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں“۔ آپؐ نے فرمایا: ”ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ بس آپ لوگ اپنے ڈیروں میں چلے جائیں“۔ اس کے بعد لوگ واپس جاکر سوگئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

دارالندوہ میں ابلیس لعین کی آمد

بیعت عقبہ کبریٰ کے تقریباً ڈھائی مہینہ بعد مشرکین نے ۲۶ صفر ۱۴ھ نبوت مطابق ۱۲/ستمبر ۶۲۲ء کو دن کے پہلے پہر مکے کی پارلیمنٹ دارالندوہ میں تاریخ کا سب سے خطرناک اجتماع منعقد کیا، اس میں قریش کے تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی۔ موضوع بحث ایک قطعی پلان کی تیاری تھی جس کے مطابق اسلامی دعوت کے علمبردار (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصہ بہ عجلت تمام ختم کردیا جائے اور اس دعوت کی روشنی کلی طور پر مٹادی جائے۔ وقت مقررہ پر نمائندگان دارالندوہ پہنچے تو ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں عبا اوڑھے، راستہ روکے، دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا یہ کون سے شیخ ہیں؟ ابلیس نے کہا: ”یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے۔ آپ لوگوں کا پروگرام سن کر حاضر ہوگیا ہے۔ باتیں سننا چاہتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ آپ لوگوں کو خیرخواہانہ مشورے سے بھی محروم نہ رکھے“۔ لوگوں نے کہا: ”بہتر ہے آپ بھی آجایئے“۔ چنانچہ ابلیس بھی ان کے ساتھ اندر گیا۔

نبیؐ کے قتل کی ظالمانہ قرارداد پر اتفاق:

اجتماع مکمل ہوگیا تو تجاویز اور حل پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور دیر تک بحث جاری رہی۔ پہلے ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے درمیان سے نکال دیں اور اپنے شہر (مکہ) سے جلاوطن کردیں۔ پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں جاتا اور کہاں رہتا ہے۔ بس ہمارا معاملہ ٹھیک ہوجائے گا اور ہمارے درمیان پہلے جیسی یگانگت ہوجائے گی۔ مگر شیخ نجدی (ابلیس لعین) نے کہا: ”نہیں، خدا کی قسم یہ مناسب رائے نہیں ہے، تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کتنی عمدہ اور بول کتنے میٹھے ہیں اور جو کچھ لاتا ہے اس کے ذریعے کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو کچھ بعید نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے میں نازل ہو اور انہیں اپنا پیرو بنالینے کے بعد تم پر یورش کردے اور تمہیں تمہارے شہر کے اندر روند کر تم سے جیسا سلوک چاہے کرے۔ اس کے بجائے کوئی اور تجویز سوچو“۔ ابوالبختری نے کہا: ”اسے لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر قید کردو اور باہر سے دروازہ بند کردو، پھر اسی انجام (موت) کا انتظار کرو جو اس سے پہلے شاعروں مثلاً زہیر اور نابغہ وغیرہ کا ہوچکا ہے“۔

شیخ نجدی نے کہا: ”نہیں خدا کی قسم یہ بھی مناسب رائے نہیں ہے۔ واللہ اگر تم لوگوں نے اسے قید کردیا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، تو اس کی خبر بند دروازے سے باہر نکل کر اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی۔ پھر کچھ بعید نہیں کہ وہ لوگ تم پر دھاوا بول کر اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے قبضے سے نکال لے جائیں۔ پھر اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کرلیں۔ لہٰذا یہ بھی مناسب رائے نہیں۔ کوئی اور تجویز سوچو!“

یہ دونوں تجاویز پارلیمنٹ رد کرچکی تو ایک تیسری مجرمانہ تجویز پیش کی گئی جس سے تمام ممبران نے اتفاق کیا۔ اسے پیش کرنے والا مکے کا سب سے بڑا مجرم ابوجہل تھا۔ اس نے کہا: ”اس شخص کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے“۔ لوگوں نے کہا: ”ابوالحکم وہ کیا ہے؟“ ابوجہل نے کہا: ”میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط، صاحب نسب اور بانکا جوان منتخب کرلیں، پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رخ کریں اور اس طرح یکبارگی تلوار مار کر قتل کردیں جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ یوں ہمیں اس شخص سے راحت مل جائے گی اور اس طرح قتل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس شخص کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور بنو عبد مناف سارے قبیلوں سے جنگ نہ کرسکیں گے، لہٰذا دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہوجائیں گے اور ہم دیت ادا کردیں گے۔

شیخ نجدی (ابلیس لعین) نے کہا: ”بات یہ رہی جو اس جوان نے کہی۔ اگر کوئی رائے ہوسکتی ہے تو یہی ہے، باقی سب ہیچ“۔ اس کے بعد پارلیمان مکہ نے اس مجرمانہ قرارداد پر اتفاق کرلیا اور ممبران اس عزم مصمم کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس گئے کہ اس قرارداد پر عمل فی الفور کرنا ہے۔

ہجرت مدینہ کے موقع پر جن کا اشعار پڑھنا

(جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینے کی جانب ہجرت فرمائی اس موقع پر) مکے میں ایک آواز ابھری جسے لوگ سن رہے تھے مگر اس کا بولنے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آواز یہ تھی: ”اللہ رب العرش ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اترے اور خیر کے ساتھ روانہ ہوئے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوا وہ کامیاب ہوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں تم سے سمیٹ لیں۔ بنوکعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو۔ تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی“۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: ”ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکے سے نکلنے کے بعد) کدھر کا رخ فرمایا ہے کہ ایک جن زیرین مکہ سے یہ اشعار پڑھتا ہوا آیا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، اس کی آواز سن رہے تھے لیکن خود اسے نہیں دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ بالائی مکہ سے نکل گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے اس کی بات سنی تو ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدھر کا رخ فرمایا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مدینے کی جانب ہے۔

غزوۂ بدر میں ابلیس لعین کا کردار:

(غزوۂ بدر کے موقع پر) جب کہ لشکر روانگی کے لئے تیار ہوگیا تو قریش کو یاد آیا کہ قبائل بنوکنانہ سے ان کی دشمنی اور جنگ چل رہی ہے۔ اس لئے انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ قبائل پیچھے سے حملہ نہ کردیں اور اس طرح وہ دو دشمنوں کے بیچ میں نہ گھر جائیں۔ قریب تھا کہ یہ خیال قریش کو ان کے ارادۂ جنگ سے روک دے۔ لیکن عین اسی وقت ابلیس لعین بنوکنانہ کے سردار سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں نمودار ہوا اور بولا: ”میں بھی تمہارا رفیق کار ہوں اور اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ بنوکنانہ تمہارے پیچھے کوئی ناگوار کام نہ کریں گے“۔ (غزوۂ بدر کے موقع پر جب فرشتوں کا نزول ہوا تو یہی) ابلیس لعین (جو) سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں آیا تھا اور مشرکین سے اب تک جدا نہیں ہوا تھا، لیکن جب اس نے مشرکین کے خلاف فرشتوں کی کارروائیاں دیکھیں تو الٹے پاؤں پلٹ کر بھاگنے لگا مگر حارث بن ہشام نے اسے پکڑلیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ واقعی سراقہ ہی ہے۔ لیکن ابلیس نے حارث کے سینے پر ایسا گھونسا مارا کہ وہ گر گیا اور ابلیس نکل بھاگا۔ مشرکین کہنے لگے: سراقہ کہاں جارہے ہو؟ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہمارے مددگار رہو، ہم سے جدا نہ ہوگا؟ اس نے کہا: ”میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی سخت سزا دینے والا ہے“۔ اس کے بعد بھاگ کر سمندر میں جا رہا۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کا نزول

ابن اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابوبکرؓ خوش ہوجاؤ، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی ہے۔ یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے، اور اس کے آگے چلتے ہوئے آرہے ہیں اور گرد وغبار میں اٹے ہوئے ہیں“۔ ابن سعد کی روایت میں حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ اس دن آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے کاٹا؟ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس مشرک کے اوپر کوڑے کی مار پڑنے کی آواز آئی اور ایک شہسوار کی آواز سنائی پڑی جو کہہ رہا تھا کہ حیزوم! آگے بڑھ۔ مسلمان نے مشرک کو اپنے آگے دیکھا کہ وہ چت گرا، لپک کر دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا، چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے کوڑے سے مارا گیا ہو اور یہ سب کا سب ہرا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری مسلمان نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: ”تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی“۔

ابوداؤد مازنی کہتے ہیں کہ میں ایک مشرک کو مارنے کے لئے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہے۔ ایک انصاری حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو قید کرکے لایا گیا تو حضرت عباسؓ کہنے لگے: ”واللہ! مجھے اس نے قید نہیں کیا ہے، مجھے تو ایک بے بال کے سر والے آدمی نے قید کیا ہے جو نہایت خوبرو تھا اور ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب میں اسے لوگوں میں دیکھ نہیں رہا ہوں“۔ انصاری نے کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! انہیں میں نے قید کیا ہے“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خاموش رہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ فرشتے سے تمہاری مدد فرمائی ہے“۔

غزوہ بنوقریظہ کے موقع پر جبرئیلؑ اور فرشتوں کی آمد:

جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جنگ) خندق سے واپس تشریف لائے اسی روز ظہر کے وقت جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں غسل فرمارہے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: ”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار رکھ دیئے حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے اور میں قریش کا تعاقب کرکے بس واپس چلا آرہا ہوں۔ اٹھیے! اور اپنے رفقاء کو لے کر بنوقریظہ کا رخ کیجئے۔ میں آگے آگے جارہا ہوں۔ ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈالوں گا“۔ یہ کہہ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جلو میں روانہ ہوگئے۔

(بحوالہ الرحیق المختوم)

ہلیری کا ناکام دورہ اور چین کی جیت

رؤف عامر

زرتشت کا قول ہے کہ تم شدید غصے کی حالت میں بھی انصاف کا دامن تھامے رہو۔ زرتشت کا ایک فقرہ کچھ یوں ہے کہ قلعے کے کنکروں پر روڑے نہ مارو، ہوسکتا ہے کہ قلعے کے اندر سے تجھ پر پتھر برسنے لگیں۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے ابھی حال ہی میں چین، جاپان اور انڈونیشیا کا دورہ کیا ہے۔ یہ دورہ اس لحاظ سے اہم ترین تھا کہ بارک اوباما انتظامیہ نے اس دورے سے خاصی معاشی توقعات قائم کر رکھی تھیں۔ امریکن تھنک ٹینکو نے چین کے دورے کو خاصی اہمیت دے رکھی تھی۔ امریکہ کے صف اول کے اخبار واشنگٹن پوسٹ نے دورے کے دوران لکھا: China is at Heart of Clinton Trip چین سے پہلے ہلیری کلنٹن نے مسلم امہ کے معاشی طور پر تیزی سے ابھرنے والے ملک انڈونیشیا کا دورہ کیا۔ ہلیری کلنٹن نے کہا کہ اوبامہ ایڈمنسٹریشن کے نزدیک انڈونیشیا کی خاصی اہمیت ہے اور ہم انڈونیشیا سے اقتصادی اور عسکری تعلقات قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ امریکہ روئے زمین کا وہ ملک ہے جس نے اس سے پہلے دوسرے ملکوں سے درخواست یا اپیل کرنا تو درکنار مشورے کی زحمت نہیں کی مگر اب یہ صورتحال ہے کہ امریکن ایلچی مختلف ملکوں کی خاک چھان کر ان سے معاہدے کرنے کی آفرز کررہے ہیں۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ ہلیری کلنٹن کا یہ دورہ فلاپ ہوگیا ماسوا جاپان کے جہاں ہلیری کلنٹن نے سولہ سال بعد اپنے جاپانی ہم منصب کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق امریکہ جاپان کے جنوبی علاقے اوکی ناوہ میں قائم امریکی بحری اڈے پر موجود اپنے آٹھ ہزار فوجیوں کو ۲۰۱۴ء تک واپس بلا لے گا جبکہ جاپان واشنگٹن کی اس فیاضی پر چھ ارب ڈالر دے گا جس میں سے ۲.۸ ارب کی نقدی اور ۳.۲۸ ارب ڈالر کا قرضہ ہوگا۔ امریکہ کے پرانے اتحادی جاپان نے بھی اسی ایک معاہدے کے علاوہ ہلیری کی تمام توقعات پر پانی پھیر دیا۔ امریکی تجزیہ نگاروں نے ہلیری کے ناکام دورے کو خارجی سطح پر امریکی شکست سے تعبیر دی ہے۔ چین روانگی سے قبل ہلیری کلنٹن نے ایئرپورٹ پر صحافیوں کو بتایا: IT WLD BE N CHINA INTEREST WE WERE UNABLE TO GET OUR ECONOMY MOVING ہلیری کلنٹن نے چینی صدر ہوجن تاؤ سے ملاقات کے فوری بعد میڈیا کو بتایا کہ ہم دراصل ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔

امریکہ کی بدحواسی کا یہ عالم ہے کہ ہلیری کے امریکہ و چین میں جاری کئے گئے دونوں بیانات میں خاصا بعد المشرقین ہے۔ پہلے بیان میں وہ فرماتی ہیں کہ اگر امریکہ نے اپنی اقتصادی پالیسی کا قبلہ درست نہ کیا تو چین پوری دنیا کی معیشت کو نگل جائے گا۔ وزیر خارجہ کے دوسرے بیان سے مایوسی جھلک رہی ہے۔ ہلیری کلنٹن نے دبے دبے الفاظ میں چین سے معاشی معاونت کی درخواست کی۔ ہلیری کلنٹن نے چینی انتظامیہ سے اپیل کی کہ وہ امریکہ کی ڈوبتی ہوئی معاشی ناؤ کو غرق ہونے سے بچائیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ بیجنگ امریکن سیکورٹی سے متعلق شعبوں میں سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ واشنگٹن نے اپنے معاشی بحران کو کنٹرول کرنے کے لئے جس ۷۸۷ بلین ڈالر کا بیل آؤٹ پروگرام مرتب کیا تھا اس میں بھی سب سے بڑا حصہ چین کا ہے۔ ہلیری کلنٹن کی پرسوز اپیلوں کے جواب میں چینی صدر جن تاؤ نے صرف یہ کہا کہ میں دل کی گہرائیوں سے اوباما کو چین کا دورہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ہلیری کلنٹن نے اپنے اس دورے کے متعلق کہا: Begining of a New Era of Bilateral Relations امریکہ چین کو اپنا حریف اول سمجھتا ہے مگر مالی بحران نے وہائٹ ہاؤس کو دن میں ایسے تارے دکھائے کہ وہ اپنی معاشی قوت کے بچاؤ کے لئے چین سے مدد کا خواستگار ہے۔ ہلیری کلنٹن نے چین کو امریکی ٹریژر بانڈز خریدنے کی آفر کی حتیٰ کہ یہ امریکہ کی ملکیت ہیں مگر چین پر ہلیری کا جادو نہ چل سکا اور وہ بے نیل و مرام واپس پلٹ آئیں۔ مالیاتی ماہرین کی نکتہ چینی پر ہلیری کلنٹن نے جواب دیا کہ انھوں نے یہ پیشکش وزیر خارجہ ٹموتھی کے ساتھ مشورے کے بعد کی ہے۔ ٹموتھی صہیونی سرمایہ کاروں کا ہرکارہ ہے۔ یوں عالمی صہیونی ساہوکار اس حقیقت کا ادراک کرچکے ہیں کہ چین کے تعاون کے بغیر امریکہ کا اقتصادی ڈھانچہ نشوونما نہیں کرسکتا۔ صہیونی پروفیسر بال فرگوسن نے امریکی معیشت کے مستقبل کو چین کے ساتھ نتھی کرتے ہوئے Chimerica کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے کہا کہ چاامریکہ ایک فرضی ریاست ہے جس کی تکمیل کا خواب میں اگلے دو سالوں میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر معیشت کو استحکام دینا مطلوب ہے تو دونوں ملکوں کا ملنا ضروری ہے۔

ماہرین نے وارننگ دی ہے کہ اگر امریکہ اور چین کے درمیان امریکی بانڈز کی خرید وفروخت کا معاہدہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوا تو ملک میں کرنسی کا بحران پیدا ہوگا۔ چین امریکہ میں سالانہ تین سو بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرتا ہے۔ اگر چین یہ عمل بند کردے تو سپر پاور میں بیروزگاری کی آندھیاں طوفان کا روپ دھار لیں گی۔ عالمی تجزیہ نگاروں نے ہلیری کلنٹن کے دورۂ چین کو فائنل راؤنڈ قرار دیا تھا مگر دورے کے بعد یہ کہا جارہا ہے کہ امریکہ چین کو اعتماد میں نہ لے سکا۔ ہلیری کلنٹن نے ایران و افغانستان میں امریکہ کو درپیش خطرات کے تناظر میں چین سے مدد کی درخواست کی۔ اس پر طرہ یہ کہ ہلیری کلنٹن نے شمالی کوریا کے خلاف...... زبان تک استعمال نہ کی بلکہ چین کو شمالی کوریا کے جوہری قضیے پر ثالثی کی پیشکش کی گئی۔ چینی وزیراعظم وین جیاؤ باؤ نے ہلیری کلنٹن کی آؤ بھگت تو کی، بحران میں چینی تعاون کا وعدہ بھی کیا مگر عملی طور پر کوئی اقدام نہ ہوا، اسی لئے عالمی دانشور دورۂ چین کو ListeningHour کا نام دے رہے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ کے ناکام دورۂ چین پر نیوز ویک کے ایڈیٹر فرید زکریا نے لکھا: Commingto USA Era is End فرید زکریا کے تجزیے کے مطابق اکیسویں صدی امریکہ کی عالمی حاکمیت کا اختتام کردے گی۔ امریکی جریدے بوسٹن کی رپورٹ کے مطابق یہ دورہ کسی قسم کے ثمرات سمیٹنے میں کامیاب نہ ہوا۔ چین، روس اور ایران کا صف اول کا اتحادی ہے۔ شنگھائی کواپریشن تنظیم بھی روز بروز پھیل رہی ہے۔ چین امریکن اسٹاک ایکسچینج میں سب سے زیادہ سرمایہ کاری کرنے والا ملک ہے۔ امریکہ چین کا ہی سب سے بڑا مقروض ہے۔ یوں یہ حقیقت روز روشن کی طرح الم نشرح ہوچکی ہے کہ جس روز چین نے امریکہ سے اپنا سارا سرمایہ نکال لیا اسی روز امریکی دہشت کا رقص بسمل ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا۔ واشنگٹن کے متکبرانہ دورے کرنے، وہائٹ ہاؤس کے مکینوں کی قدم بوسی کرنے اور امریکن خارجہ پالیسی کو اولیت دے کر اپنی سلامتی و خودمختاری کا جنازہ نکالنے والے مسلم حکمرانوں کو ہوش کے ناخن لے کر امریکی غلامی کے شکنجے سے آزاد ہونا چاہئے کیونکہ جس سپر پاور کی دوستی پر وہ نازاں و فرحاں رہتے ہیں وہ عنقریب غریق شکست ہونے والی ہے۔ دوسری طرف اوباما کو زرتشت کے دونوں اقوال کی روشنی میں دنیا بھر میں انصاف کے عمل کو مہمیز دینی چاہئے ورنہ ایک ذلت آمیز شکست اس کا پیچھا کررہی ہے۔ شاید اسی لئے تو زرتشت نے کہا تھا کہ بعض اوقات قلعے کے اندر سے کنکر بھی برسنے لگتے ہیں۔

●●

نہ جاننا اور نہ ماننا دو مختلف باتیں ہیں

رئیسہ بطاک جی

بیروت: جب میں نے ’گوگل ارتھ‘ کے عجائب دریافت کئے تو میں نے اس جگہ کا نام لکھنے میں زیادہ تاخیر نہیں کی جسے بہت سے لبنانی ’ممنوعہ شہر‘ سمجھتے ہیں یعنی تل ابیب، جو ایک ایسا شہر ہے جہاں ہم لبنانی جا نہیں سکتے، بلکہ وہاں فون بھی نہیں کرسکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ یہ کہیں گے کہ انہیں ایسا کرنے کی خواہش بھی نہیں ہے۔

ویب پیج پہلے دھندلایا اور پھر تیزی سے واضح ہونے لگا۔ میں تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ جب میری نظر تل ابیب کی عمارتوں، سڑکوں اور پارکوں پر پڑی تو نہ صرف میرا فشار خون بلند ہونے لگا بلکہ مجھے اس احساس سے بے چینی بھی ہونے لگی کہ اس ویب سائٹ کے ذریعے تل ابیب چاہے میرے کتنا ہی قریب کیوں نہ آگیا ہو، وہ اتنا قریب نہیں ہے جتنا بیروت اسرائیلیوں کے ’قریب‘ ہے۔

جب میں نے پہلی بار انٹرنیٹ کے ذریعے تل ابیب کو دیکھا تب میں اٹھارہ سال کی تھی۔ جبکہ اسرائیلی اپنی روزمرہ زندگی کے معمول کے طور پر اخبارات میں اور ٹیلی ویژن پر بیروت کے بارے میں پڑھتے اور دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ لبنان کی خاتون اول نے فرانس کے صدر نکولس سرکوزی کے استقبالی عشائیے میں کون سا لباس پہن رکھا تھا اور یہ کہ ہمارے شہر کا مرکز کیسا دکھائی دیتا ہے۔

درحقیقت جب حزب اللہ کے رہنما حسن نصر اللہ نے بیان دیا تھا: ”اسرائیل کے عوام مجھ پر ایہود اولمرٹ سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں“ تو اس میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوگی۔ اسرائیل کے لوگ لبنانی نیوز پروگرام اور مزاحیہ ڈرامے دیکھ سکتے ہیں جبکہ ہمیں اسرائیلی پروگراموں تک رسائی حاصل نہیں ہے۔ یہ یکطرفہ ابلاغ لبنانیوں کی اس تفہیم اور جانکاری کو محدود کردیتا ہے کہ اسرائیلی کیسے سوچتے ہیں اور ہر روز انہیں کس بات سے تحریک ملتی ہے۔ دریں اثناء سرحد کی دوسری جانب اسرائیلی خود یہ دیکھ سکتے ہیں کہ لبنانی کیسے زندگی گزارتے ہیں تو کیا لبنانیوں کی قسمت میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ اسرائیلیوں کی زندگی اور ترقی کے بارے میں ہمیشہ اندھیرے میں ہی رہیں گے؟ ضروری نہیں کیونکہ آہستہ آہستہ ہم انٹرنیٹ کے ذریعے اسرائیلی ذرائع ابلاغ تک رسائی حاصل کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ لبنان کے دو روزناموں ”السفیر“ اور ”الاخبار“ نے اسرائیلی اخبارات سے مضامین ترجمہ کرنے کے لئے دو سیکشن مختص کردیئے ہیں۔ ان سیکشنوں کے ایڈیٹرز کا کہنا ہے کہ لبنانی عوام کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسرائیل میں کیا ہورہا ہے۔ تاہم جن لوگوں کو انٹرنیٹ کی باقاعدہ سہولت میسر نہیں ہے ان کے لئے یہ اخبارات ایک ایسی کھڑکی کی طرح ہیں جہاں سے انہیں اسرائیلی زندگی کی محض ایک جھلک ہی دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ ایڈیٹر صاحبان ترجمہ کرنے کے لئے مضامین کا انتخاب خود کرتے ہیں اور اکثر ایسے مضامین چنے جاتے ہیں جو ایک خاص سیاسی نقطۂ نظر کے مطابق ہوں۔ جس سیکشن میں اسرائیلی مضامین چھاپے جاتے ہیں اس کا عنوان ہے: ”جدوجہد کی دوسری طرف“ اور بیشتر مضامین میں اسرائیل کو ایک ایسی ریاست کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، جس کی حکومت کمزور ہے یا جسے عرب مزاحمت سے شدید خطرات لاحق ہیں۔ نصف صدی سے لبنانیوں کو پشت در پشت یہ سکھایا جارہا ہے کہ اسرائیل ایک باقاعدہ ملک نہیں ہے اور یہ کہ اس کا وجود عارضی ہے۔ اسرائیل سے آنے والی خبروں اور تفریح پر پابندی سے بہت سے لبنانیوں کے ذہن میں یہ صورتحال کئی حوالوں سے بہت پراسرار بن جاتی ہے۔ یہ پراسراریت اتنی قوی ہے کہ ۲۰۰۱ء میں ایک لبنانی اخبار نے جنوبی لبنان کے ایک ہائی اسکول کے خلاف مہم شروع کردی۔ اخبار کا دعویٰ تھا کہ اسکول میں طلباء کو اسرائیل کی ایک باقاعدہ ملک کے طور پر موجودگی تسلیم کرائی جارہی ہے۔ دراصل اسکول میں امریکی ڈکشنری استعمال کی جاتی تھی جس میں ایسے نقشے تھے جو جنوبی لبنان کے علاقے کو فلسطین کے زیر قبضہ علاقے کی بجائے اسرائیل کے طور پر ظاہر کرتے تھے۔ یہ معاملہ بڑھنے سے نہ صرف کافی بدامنی پھیلی بلکہ طلباء کے والدین کے مطالبے پر اسکول کو تعلیمی سال کے وسط میں اپنی نصابی کتب تبدیل کرنی پڑیں۔ اس طرح کے ردعمل سے طلبہ اور عام لبنانیوں کے مفاد کو یکساں نقصان پہنچتا ہے۔ ایک ملک کو تسلیم نہ کرنا اور اس کے بارے میں معلومات نہ رکھنا دو مختلف باتیں ہیں۔ ذرائع ابلاغ کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے میں معلومات کی طاقت اور کسی معاملے میں شریک تمام فریقوں کی معلومات تک برابر رسائی پر پختہ یقین رکھتی ہوں۔ اسرائیل کے بارے میں بہتر معلومات رکھنے سے ہم غدار نہیں بن جائیں گے اور نہ ہی اس کا مطلب اپنے جنگی قیدیوں یا مقبوضہ سرزمین سے دغا ہے۔ بہتر تفہیم ہمیں طاقت دیتی ہے۔ اس سے ہمیں سیاسی، عسکری یا اقتصادی قوت تو نہیں ملے گی لیکن کم از کم کسی ملک اور اس کے لوگوں کو جاننے کے حوالے سے توازن ضرور قائم ہوجائے گا۔

●●

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)
POSTAL REGISTRATION No.

پیریز۔ اردوغان زبانی جھگڑے پر عرب صحافت کا ردعمل

تحریر: خالد عفیفی
ترجمہ: مسعود الرحمٰن خان ندوی

ترکی وقت کے حساب سے رات ڈھائی بجے وزیراعظم رجب طیب اردوغان کے استقبال میں لاکھوں لوگ انقرہ ہوائی اڈے کے سامنے جمع تھے، وہ غزہ پر وحشیانہ اسرائیل سے متعلق صدر شمعون پیریز سے دوبدو سخت زبانی جھڑپ کے بعد مذاکرہ اور عالمی اقتصادی کانفرنس (منعقدہ ڈاوس، سوئزرلینڈ) کا مقاطعہ کرکے ملک واپس پہنچے تھے، عوام کے ہاتھوں میں بورڈوں پر نیا زعیم اور مثالی قائد جیسے تحسینی کلمات لکھے تھے۔ لیکن دنیا بھر میں کروڑوں لوگوں نے ان کو عثمانی سلطان عبدالحمید کا سعادت مند، خوش بخت پوتا مانا جو کسی زمانے میں اسلامی شخصیت کی عزت وکرامت کا نشان سمجھے جاتے تھے۔ جبکہ متعدد حلقوں میں عرب حکام کی جگ ظاہر رسوا کن حالتِ زار پر حسرت اور رنج والم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جس کا المناک مظاہرہ عرب لیگ کے جنرل سکریٹری عمرو موسیٰ کی بے بسی سے ظاہر تھا کہ وہ اس موقع پر اردوغان سے پرتپاک مصافحہ کے علاوہ کوئی اور ردعمل یا اظہار رائے نہ کرسکے۔

طیب اردوغان کے اس مثالی موقف کی قدروقیمت کا اندازہ ہم کیسے کریں؟ خاص طور پر ان حالات میں کہ ان کے ملک کے اسرائیل وامریکہ سے اسٹریٹجک تعلقات قائم ہیں، پھر انھوں نے کس طاقت پر بھروسہ کیا؟ جبکہ صہیونی انتظامیہ کا سیاسی وژن مستقبل میں یقیناً ترکی کے یوروپی یونین میں شمولیت پر اثرانداز ہوگا اور یہی وہ ترپ کا پتہ ہے جو اردوغان حکومت ان کی مخالف ترکی فوج کو قابو میں رکھنے کے لئے دکھاتی رہتی ہے۔

نامی گرامی صحافی فہمی ہویدی کا کہنا ہے: ”اردوغان کا موقف صاف شفاف ہے، وہ اپنے نفس اور ان عوام کا احترام کرتے ہیں جنھوں نے ان کو منتخب کیا ہے۔ اس طرح انھوں نے حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی عزت نفس کو بھی خوش کیا اور اپنے عوام کی خواہش سے الگ موقف نہیں اختیار کیا بلکہ عوام کے رجحان کی تائید کی اور اسے مضبوط کیا“۔ انھوں نے اس طرح پیریز کو تو مشکل میں ڈالا ہی، عمرو موسیٰ کو بھی برسرعام رسوا کیا۔ عمرو موسیٰ کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ جلسے سے اٹھ جاتے تاکہ تنہا طیب اردوغان ان سے زیادہ غیرتمند معلوم نہ ہوں، مگر عمرو موسیٰ زیر بحث غزہ حملے کے مسئلے پر صلح کل معلوم ہوئے۔ ہویدی نے اگرچہ اس واقعے کے نتیجے میں یوروپی یونین سے ترکی کے تعلقات منقطع ہونے کو مستبعد قرار دیا، مگر امریکہ ضرور طیب اردوغان سے بہت خفا ہوگا اس لئے کہ دونوں ممالک کے درمیان بڑے اسٹریٹجک مفادات ہیں اور اسرائیل کے ساتھ ترکی کے تعلقات پر بھی بڑا اثر پڑے گا جو طیب اردوغان کے علانیہ موقف کے بعد ترکی کی طرف اسرائیل کے سیاحوں کی ستر فیصد کمی کی وجہ سے اقتصادی طور پر کمزور ہونے لگے ہیں۔

ڈاکٹر عصام العریان نے کہا: طیب اردوغان کا موقف ایک فطری سیاستداں کا ترکی عوام کی تائید کے لئے اختیار کیا گیا اقدام ہے جہاں غزہ پر حملے کی مذمت کے لئے بڑے بڑے عوامی مظاہرات ہورہے تھے۔ ان کے سامنے تین مقاصد تھے: (۱) اندرونی سیاست میں اپنی حیثیت مضبوط کرکے آئندہ انتخابات میں اپنی جماعت کی فوقیت باقی رکھنا (۲) تمام عربوں میں اپنے ملک کا علاقائی مقام ومرتبہ مضبوط کرنا (۳) یورپ میں ترکی کی علاقائی حیثیت ثابت کرنا کہ وہ اس خطے میں بڑا کام کرسکتا ہے اس لئے یوروپی یونین کی رکنیت کا مستحق ہے۔ مگر اسرائیل سے ترکی کا تعلق متاثر نہیں ہوا، صرف صہیونیوں کو ترکی کے احترام پر مجبور کیا کہ وہ بھی اس کا ہمسر ملک ہے، تابع مہمل نہیں ہے۔ اس لئے ایسے فیصلے لے سکتا ہے جو اس کے لئے نقصاندہ ہوسکتے ہیں۔ نیز خطے میں ایران کے اثر ورسوخ کے توڑ کے لئے مصر ہی نے ترکی کو اس دور کی انجام دہی کی اس وقت دعوت دی جب صہیونی حملے کے شروع میں وزیر خارجہ ابوالغیط ترکی گئے تھے۔ اور عمرو موسیٰ نے تو اپنے بے ڈھنگے پن سے یہ ثابت کردیا کہ ان کی حیثیت عرب لیگ کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر صرف ایک ملازم کی ہے جس کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

ڈاکٹر عمار علی حسن کے خیال میں طیب اردوغان کے موقف کا سرسری سبب اسلامی فکری تشکیلی مزاج اور ان حالات سے متعلق ہے جن میں وہ کام کررہے ہیں اور اس کے بڑے عامل کے تین پہلو ہیں: اول یہ کہ وہ عوام کے منتخب آدمی ہیں، صہیونی حملے کی مذمت کے لئے لاکھوں کی تعداد میں ترکی عوام سڑکوں پر آگئے تو ان کو اپنے عوام کی ترجمانی کرنی ہی تھی۔ دوم: ترکی کو احساس ہے کہ خطے سے الگ تھلگ پڑے رہنے کی وجہ سے اس کی اسلامی قدر وقیمت کم ہورہی ہے، باقی مقام ومرتبہ صہیونی وجود کے ساتھ معاہدے کی نذر ہوگیا اور مصری دور کی بے حیثیتی کے بعد دیگر طاقتیں جیسے ایران اس خلا کو بھرنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہیں۔ سوم: یورپی یونین کے دروازے پر ترکی طویل مدت سے ایک بھکاری کی حیثیت سے کھڑا ہے، مگر وہ ضدی گھوڑے کی طرح ترکی کو برادری سے باہر رکھنے پر اڑی ہوئی ہے۔ جبکہ مشرقی یوروپ کے اس سے بہت چھوٹے ممالک بھی کے رکن بنالئے گئے، اس لئے ترکی کو احساس ہوا کہ مغرب کے حساب پر مشرق کو بیچ دینا اس کے مفاد میں نہیں ہے۔ مزید برآں یہ کہ خطے میں ترکی کے نئے اہم دور کی بدولت ہوسکتا ہے کہ اس کو یوروپی یونین کی رکنیت بھی مل ہی جائے۔ جہاں تک عمرو موسیٰ کا تعلق ہے تو اصل میں ان کو ۲۲ عرب ممالک کے نمائندے کی حیثیت سے اس مجلس مذاکرہ میں جانا ہی نہیں چاہئے تھا جہاں ان کو ایک سخت تاریخی لمحے میں لاکھوں عرب، مسلم اور دنیا کے آزاد لوگوں کے احساسات وجذبات کی توہین کے لئے عربوں کے بنیادی دشمن پیریز کے ساتھ ایسے بیٹھنا پڑا جیسے کل نہ تیرہ سو فلسطینی شہید ہوئے، نہ ہزاروں زخمی ہوئے، نہ ہزاروں مکان ڈھائے گئے، نہ لاکھوں لوگ دربدر ہوئے، نہ انفراسٹرکچر پوری طرح تباہ وبرباد کیا گیا۔ اور جب وہ وہاں بیٹھے ہی ہوئے تھے تو لوگوں کی تمنا تھی کہ وہ طیب اردوغان سے صرف مصافحہ پر اکتفا نہ کرتے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی بائیکاٹ کرتے یا وہاں بیٹھتے تو صدر جلسہ سے مذاکرہ میں حصہ لینے پر نہ صرف اصرار کرتے بلکہ وہ کام مکمل کرتے جو طیب اردوغان مقاطعے کی وجہ سے مکمل نہ کرسکے۔

ڈاکٹر عمرو الشوبکی (ماہر مرکز سیاسی و اسٹراٹیجی مطالعات۔ الاہرام) کے نزدیک غزہ پر صہیونی حملے کے خلاف ترکی کا موقف اور پھر جو کچھ ڈاوس میں ہوا یہ سب ایک تاریخی لمحہ ہے جو ترکی کی نئی ولادت کا عکاس ہے۔...... عالم عربی کو طیب اردوغان نے ایک جمہوری ملک کے منتخب وزیراعظم کی حیثیت سے ایک تاریخی درس بھی دیا ہے۔ جبکہ عرب اپنے استبدادی ڈکٹیٹر حکام سے تنگ آچکے ہیں جو اپنے عوام کو دباتے ہیں اور صہیونی وجود پر تنقید کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالمنعم المشاط (صدر مرکز سیاسی مطالعات، قاہرہ یونیورسٹی) نے اردوغان کے موقف کی تحسین کی اور مذاکرے کے صدر پر تنقید کرتے ہوئے کہا: صہیونی وجود کا طرفدار امریکہ ہے، دیگر لوگوں کے مقابلے میں مذاکرے میں پیریز کو بلاخوف دوگنا وقت دینا ”دوسرے لوگوں پر ظلم ہے“۔ صہیونی صدر نے اس سے صہیونی وجود کے دفاع کا پورا فائدہ اٹھایا، عرب ممالک کو ایران اور ترکی سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ دونوں ممالک خارجی سیاست ایسے چلاتے ہیں جیسے چلانا چاہئے۔

(ہفت روزہ الامان، بیروت)

سوڈانی صدر کے وارنٹ گرفتاری

ہیگ میں قائم جرائم کی عالمی عدالت نے سوڈان کے صدر عمر حسن البشیر کے وارنٹ گرفتاری جاری کردیئے ہیں اور دارفور میں جاری پانچ سالہ خانہ جنگی کے بارے میں سوڈانی صدر پر جنگی جرائم کے الزام میں پیش ہونے کا حکم جاری کردیا ہے۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی سوڈان میں احتجاج شروع ہوگیا ہے۔ سوڈانی صدر کے مشیر ڈاکٹر صلاح الدین نے عدالت کے فیصلے پر تنقید کرتے ہوئے اسے ایک نئے طرز کا نوآبادیاتی نظام قرار دیا ہے۔ عالمی عدالت نے پہلی بار کسی سربراہ حکومت کے خلاف اس طرح وارنٹ گرفتاری جاری کیا ہے۔ سوڈان کی حکومت نے اس عدالت اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہوا ہے۔ اس فیصلے کے بعد عالمی سطح پر ایک اور بحران میں شدت پیدا ہوجائے گی۔ اس بحران کی وجہ سے علاقائی اور عالمی قوتوں کے درمیان نئی تقسیم سامنے آئے گی۔ افریقی یونین اور عرب لیگ نے اس فیصلے پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ اس فیصلے سے جنوبی سوڈان میں جاری امن اور مصالحت کے عمل کو نقصان پہنچے گا۔ چین نے بھی اس فیصلے پر تنقید کی ہے لیکن امریکہ، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک طویل عرصے سے سوڈان کے خلاف گھیرا تنگ کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور انھوں نے اچانک ہی جنوبی سوڈان میں جاری مقامی شورش کو ایک دم بہت بڑا مسئلہ بنادیا۔ امریکہ ایک عرصے سے سوڈان کو دہشت گرد ریاست قرار دلوانے کی کوشش کررہا ہے اور وہ اس میں ناکام ہے۔

کلنٹن کے دور حکومت میں امریکہ نے افغانستان اور سوڈان پر بیک وقت میزائل کا حملہ کیا تھا۔ سوڈان افریقہ کا ایک اہم اور وسیع جغرافیہ رکھنے والا مسلمان ملک ہے۔ اس ملک میں اسلامی تحریکیں مضبوط جڑیں رکھتی ہیں۔ اس لئے امریکہ اور یورپی سامراجی ممالک اس ملک کے خلاف سازشیں کررہے ہیں۔ جنوبی سوڈان میں عیسائی قبائل کی باغیانہ اور علیٰحدگی کی تحریک جسے غیرملکی مدد حاصل تھی کافی عرصے سے جاری تھی لیکن سوڈان کے صدر نے اس تحریک کے سربراہ سے معاہدہ کرکے امن قائم کرلیا تھا لیکن سات برس پہلے سوڈان کو عرب اور افریقی نسل میں تقسیم کرنے کے لئے دارفور کے مسئلے کو ایک بہت بڑا مسئلہ بنادیا گیا۔ جنگی جرائم کے نام پر عالمی عدالت کی جانب سے ایک مسلمان ملک کے سربراہ کی گرفتاری عالمی اداروں کی منافقت اور دوغلی سیاست کا کھلا ثبوت ہے۔ اگر وہ انسانیت کے خلاف جرائم کے ذمہ داروں کا احتساب کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے جارج ڈبلیو بش اور اسرائیل کے تمام سربراہوں کے خلاف مقدمات چلانے چاہئیں۔ عراق اور افغانستان پر امریکی قبضے کے بعد تو اقوام متحدہ سمیت کسی عالمی ادارے کو جنگی جرائم یا انسانیت کے خلاف جرائم کے نام پر کسی بھی اقدام کا جواز حاصل نہیں رہا۔

جنگی جرائم اور عالمی جرائم کی عدالتیں مغربی تہذیب کی دورنگی اور منافقت کی کھلی علامت ہیں۔ اس واقعے میں مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے لئے بھی سبق ہے جو فوجی قوت وطاقت کے نام پر اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں اور اپنے ہی عوام کو کچلتے ہیں جس کے نتیجے میں عالمی بدمعاشوں کی قوت میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔ اگر سوڈان کا سیاسی نظام قومی یکجہتی اور انصاف کی بنیاد پر قائم ہوتا تو آج دشمنوں کو ایسی جرأت نہ ہوتی۔

(جسارت، کراچی)

ہندوستانی ادب میں نئے رجحانات پر سیمینار

بنگلور۔ کرناٹک اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام ”ہندوستانی ادب میں نئے رجحانات“ کے عنوان سے سہ روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں جناب خلیل مامون، پروفیسر وارث علوی، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر شمیم حنفی، جناب فضیل جعفری، پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر خالد جاوید اور دیگر شخصیات نے ادب کے نئے رجحانات، تقاضے، حالات، مسائل پر مقالات پیش کئے۔ مقالہ نگاروں نے موجودہ تقاضوں کو سمجھنے اور تعمیری ادب تخلیق کرنے پر زور دیا۔

پونا کالج پونے کو قومی سطح پر ایوارڈ

پونے۔ ”انڈین سنٹر فار وائلڈ لائف انوائرمینٹل اسٹڈیز ان ساؤتھ ایشیا ریجن“ کی جانب سے طلباء اور معاشرے میں ماحولیاتی بیداری لانے کیلئے ڈاکٹر محمد قدرت اللہ پرنسپل پونا کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس پونے اور ڈاکٹر الیاس سید لیکچرر پونا کالج کو قومی سطح پر ”پریاورن درونا چاریہ ایوارڈ“ عطا کیا گیا۔ انکے علاوہ کالج طذا کی طالبہ کماری توجارے کوکل کو کل ہند سطح پر ماحولیات کے تحریری امتحان میں ملک میں تیسری پوزیشن حاصل کرنے پر ”پریاورن رتن کانسہ میڈل“ بھی دیا گیا۔

بقیہ: روس میں مسلمان

سے ایک ہے جہاں انیسویں صدی میں جاڈیزم کا ظہور ہوا۔

روسی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات میں بے اعتمادی اور شکوک وشبہات اس وقت سے پیدا ہونے لگے، جب ۱۹۹۲ء میں امام مسجد شیخ رول نے شکایت کی کہ ہمارا ملک ابھی بھی تاتاری حکمرانوں کے نظریات پر عمل کرنا چاہتا ہے جو کہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ صحیح العقیدہ افراد کے لئے اختیاری مذہب ہونا چاہئے۔ جبکہ یہ مملکتی مذہب ہے۔

روسی حکومت کو خدشہ ہونے لگا کہ سیاسی اسلام کا عروج جو ۱۹۸۰ء کی دہائی میں افغانستان اور ایران میں وہ دیکھ چکا ہے۔ کہیں یہاں نہ دہرایا جانے لگے۔ اس خدشے کے پیش نظر روسی حکومت سیکولر قائدین کو جو سیاسی اسلام کی برسرعام مخالفت کیا کرتے تھے، فوجی اور سیاسی حمایت فراہم کرنے لگی۔ تاہم ۱۹۹۰ء میں سوویت یونین کی تقسیم کے بعد بے شمار مسلمانوں کو حج کے لئے سعودی عرب جانے کی اجازت دی گئی۔

قرآن پاک کے نسخے بھی دستیاب ہونے لگے اور مسلم اکثریت والی آبادی میں کئی مساجد تعمیر کردی گئیں۔ ۱۹۹۵ء میں تاتارستان کے امام وخطیب کی قیادت میں ”یونین آف مسلم رشیا“ تنظیم قائم کی گئی جس کا مقصد ہمہ نسلی یکجہتی کو فروغ دینا اور رومیوں کے اس نظریے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ اسلام ایک انتہا پسند مذہب ہے۔ اسلامی تحریک کا مقصد اسلام کے ان اصولوں کا پرچار کرنا ہے جس کے تحت مسلمانوں کو انسانیت کی فلاح وبہبود کی تعلیم دی گئی ہے۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل قائم شدہ یونین آف مسلم رشیا کو روسی مملکت میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ (الفیصل، حیدرآباد)

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرائین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ”دعوت“ ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرز: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

غازی آباد ترک درزی برادری کی دو نگی بہنیں جن کی عمر ۲۸ سال اور ۲۴ سال ہے قد پانچ فٹ چار انچ، بڑی لڑکی کی تعلیم گریجویٹ گرلز آئی ٹی آئی میں بطور Instructer خدمت انجام دے رہی ہے۔ رنگ سانولا ہے۔ دوسری لڑکی کی تعلیم بی کام، بی اے ہے۔ رنگ صاف امور خانہ داری میں ماہر صوم وصلوٰۃ کی پابند ہیں ان کے لئے برسر روزگار لڑکے رشتہ درکار ہے۔ دہلی اور این سی آر کے رشتے کو ترجیح دی جائے گی۔ ذات برادری کی کوئی قید نہیں۔

رابطہ کریں:
09711388360,09968415028

ضرورت رشتہ

۲۴ سالہ B-Tech قد پانچ فٹ سات انچ لڑکے کے لئے جس کا اپنا ذاتی کاروبار اور گھر ہے۔ خوش مزاج، خوبصورت، تعلیم یافتہ اور امور خانہ داری میں ماہر لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ جلد رابطہ کریں:
پتہ: Mahboob Ali Khan
D-39, Sector -27, Noida- (U.P)
Mobile:
9811624439

ضرورت رشتہ

تحریکی، دیندار، سید، سنی، بی اے، قد پانچ فٹ، عمر ۲۳ سال، رنگ گندمی، خوبصورت بطور ٹیچر شکشا متر گورنمنٹ پرائمری اسکول میں ملازم لڑکی کے لئے دیندار، تحریکی تعلیم یافتہ برسرروزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔
بکس نمبر 1939، معرفت سہ روزہ دعوت، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

اسرائیل کی بدنام زمانہ جاسوسی تنظیم 'موساد' کی کہانی اس کے سابق ممبر کی زبانی

اردو میں دو اہم کتابیں

☆ موساد کا فریب ● قیمت۔/300 ● صفحات 336 مجلد
☆ فریب کا دوسرا چہرہ ● قیمت۔/275 ● صفحات 300 مجلد
مصنف: وکٹر اوسٹروسکی
● تنظیم کے اندرونی ڈھانچہ اور ماحول کے بارے میں ناقابل فراموش معلومات ● عراق ایٹمی ری ایکٹر کو تباہ کئے جانے کی سنسنی خیز تفصیل ● فریب کا دوسرا چہرہ میں مزید حیرتناک انکشافات۔

ملنے کا پتہ: COSMOS BOOKS E-79, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, Okhla, N-Delhi-25, Mob:09891472714

دیگر پتے:
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی
P.O. Box No.9752,Jamia Nagar, New Delhi-1100
Ph:011-26954341,26971652 Fax: 26950975,269478
نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی
2035 قاسم جان اسٹریٹ، بلی ماران، دہلی۔110006
Phone No.011-23262545, 55363445

جامعۃ الصفّۃ ورنگل

دعوت دین واقامت دین کے لئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ! جامعۃ الصفۃ ورنگل اپنا پانچواں تعلیمی سال مکمل کرکے چھٹے سال کا سفر طے کررہا ہے اور اپنے طے کردہ مقاصد کے تحت پیش قدمی کررہا ہے۔ پانچ سال کی مختصری مدت میں بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دو سالوں میں ۱۰ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور امسال اللہ کے فضل وکرم سے مزید ۱۲ طلباء حفظ قرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔

جامعہ کا شعبہ عالمیت

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں عربی اول تا چہارم جماعتیں قائم ہیں جس میں تشنگانِ علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھارہے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں منصبی کردار ادا کرسکیں۔ جامعہ میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی کردار سازی اور اسلامی فکری پختگی پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ جامعہ میں اس وقت ۱۴۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں ان کی تعلیم، رہائش وطعام کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی سے مکمل کئے جاتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الحمدللہ! طلباء کو تلگو وانگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دیا جاسکے۔

شعبہ تدریب ائمہ

جامعۃ الصفہ ورنگل میں اس سال تدریب ائمہ کا دو سالہ کورس شروع کیا جارہا ہے جس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے گا جو کم ازکم آٹھویں جماعت کامیاب ہوں نیز جو اُردو یا تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور بالخصوص دیہات کے رہنے والے ہوں۔ ان طلباء کو دوران تعلیم ماہانہ فی کس ایک ہزار روپے تعلیمی وظیفہ دیا جائے گا تاکہ طلباء اور اولیاء طلباء کو یکسوئی ہو اور طلباء دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں اور ان طلباء کے قیام وطعام کی ذمہ داری جامعہ پر ہوگی۔ ہر طالب علم پر ماہانہ ڈھائی ہزار روپیوں کا خرچ ہوگا (Rs.2,500/-) ادارہ اس سال ۲۰ طلباء کو تدریب ائمہ کے لئے داخلہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ تدریب ائمہ کے دو سالہ کورس کے دوران ان منتخب طلباء کو امامت اور خطابت کے اصول قرآن، حدیث وفقہ کے علم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے گا۔ اس دو سالہ کورس کی تکمیل کے بعد دیہاتوں میں ان طلباء کی خدمات سے استفادہ کیا جائے گا۔

محترم بھائی! آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ قادیانیت اور عیسائیت کے مبلغین مختلف طریقوں سے دیہات کے بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کو مالی رغبت دلاکر مرتد بنانے کی کوشش کررہے ہیں اور گاہے گاہے انہیں کامیابی بھی حاصل ہورہی ہے جب کہ شہروں میں رہنے والے مسلمان، صاحب ثروت اور اہل علم حضرات اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دے پارہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں فتنے امت مسلمہ کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کو جہاں مختلف پہلوؤں سے کام انجام دینا ہے وہیں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بالخصوص ائمہ مساجد کو بھی تیار کرنا ہے جو دینی تڑپ رکھتے ہوں اور شہروں سے دور دیہاتی پس منظر میں کام کے لئے آمادہ ہوں۔ جامعۃ الصفہ نے ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت اس اہم کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے جس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے اس خصوص میں اہل خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب آگے آئیں اور ان طلباء کی کفالت کی ذمہ دار سنبھالیں۔ جامعۃ الصفہ اس اہم پراجکٹ کو اللہ کے فضل وکرم اور خیر خواہان دین وملت کے تعاون سے انجام دے گا۔ انشاء اللہ۔

تعاون کی شکلیں ☆ طلباء کی کفالت: تدریب ائمہ کے لئے فی طالب علم سالانہ -/30,000 روپے شعبہ حفظ کے لئے سالانہ -/10,000 روپے فی طالب علم ☆ شعبہ عالمیت کے لئے سالانہ -/12,000 فی طالب علم (مدت پانچ سال) ☆ اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں ماہانہ =/48,000 روپے ☆ تعمیری کام اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے۔ **نوٹ:** جامعہ اپنے خیرخواہوں کو ابھی تک بارہ لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے اس خصوص میں تعاون کی درخواست ہے۔

سرپرست جامعہ: حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہٗ، امیر جماعت اسلامی ہند
JAMIA-TUS-SUFFAH
Deshaipet Road, Warangal, A.P. India
ناظم جامعہ: محمد خواجہ عارف الدین
Phone: +91-870-2424576, Cell:+91-9849004547 A/c No. 444351498 Indian Bank Mandi Bazar, Warangal A.P.INDIA

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹیڈ

● برنشڈ بف کاف ● فیشن ایبل لیدرز ● آئل پل اپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نوبک ● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شوانڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170,JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

مئو کا بنا تیز اثردار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خشتہ، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

زندگی کے عام فقہی مسائل

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اذان، نماز، فجر کی سنتیں، نماز تہجد، نماز وتر کی رکعتیں، نماز میں سر ڈھانپنے، صلوٰۃ التسبیح، عورتوں کی نمازیں، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، مہر، پردہ، برقع، ڈاڑھی، تعویذ گنڈے جیسے ان مسائل پر اطمینان بخش اور ذمہ دارانہ گفتگو جو ایک مسلمان کی زندگی میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں اور ان کے حوالے سے ملت میں باہم اختلاف وانتشار کا ماحول جنم لیتا رہتا ہے۔

یہ کتاب ان مضامین پر مشتمل ہے، جو ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی میں بعض قارئین کی طرف سے آنے والے سوالات کے جواب کے طور پر تحریر کیے گئے تھے اور اس کے مختلف شماروں میں یہ شائع بھی ہوتے رہے۔

ہر سوال کا جواب مدلل، محقق اور عام فہم۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ● صفحات: ۱۴۸ ● قیمت: Rs.48/

نوٹ: مکتبے میں اسٹاک چیکنگ کی وجہ سے ۲۱ تا ۳۱ مارچ ۲۰۰۹ء تک آرڈر کی تعمیل نہیں ہوسکے گی۔

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net